Title - MASNAVI GULZAR NASEEM

Creator - Daya Shankar Naseem; Murattib Fida Ali Khanjar Lucknavi

Publisher - Naami Press (Lucknow).

Date - 1929

Pages - 72

Subjects - Masnaviyaat; Urdu Shayari -viyaat

M.A.LIBRARY, A.M.U.
U6936

مثنوی

گلزار نسیم

مع مقدمہ و مختصر حالات

از جناب مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی

باہتمام

قطب الدین احمد پروپرائٹر

نامی پریس لکھنؤ میں چھپی

دسمبر سنہ ۱۹۲۳ء

مقدمہ

منشی دیا شنکر نسیم لکھنوی کشمیری پنڈت اور عہد شاہی میں فوج کی منصری پر سرفراز تھے جو اس عہد میں نہایت معزز عہدہ خیال کیا جاتا تھا۔ سخن پرستی کا دور دورہ تھا۔ آتش و ناسخ کی شاعری کے سکے جاری تھے۔ دو دلدادہ استادوں کے جوان سال و جولان طبیعت تلامذہ وزیر۔ صبا۔ رند۔ خلیل وغیرہ کی طبع آزمائیاں چمنستان سخن میں گل کاریاں کر رہی تھیں۔ پنڈت جی طبعی ذوق رکھتے تھے۔ اور خواجہ آتش کے کہنہ مشق شاگردوں میں تھے۔ جملہ اصناف سخن میں بے تکلف جودت طبع کے جوہر چمکاتے تھے لیکن اس جگہ شاعر کی دوسری صنفوں میں بحث کرنا منظور نہیں ہم صرف انکی مشہور و معروف تصنیف گلزار نسیم کی نسبت کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

CHECKED-2002

یہ مثنوی (گلزار نسیم) محمد علی شاہ کے زمانہ میں تصنیف کی گئی سنہ تصنیف ۱۲۵۴ھ ہے اور مثنوی کے آخر میں پنڈت جی کی تصنیف کی ہوئی تاریخ مرقوم ہے۔ ایں نامہ کہ خامہ کرد بنیاد + گلزار نسیم نام بنہاد + بشنید و نوید ہاتفے داد + توقیع قبول روز تشیں باد ۱۲۵۴ھ

اسمیں بالکل کلام نہیں کہ مثنوی اپنے رنگ میں لاجواب ہے اور میر حسن کی مثنوی کے بعد جو شہرت جو مقبولیت اس مثنوی کو حاصل ہوئی وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئی اختصار کی بے مثل خوبی کے علاوہ صنائع و بدائع اور صنعت مراۃ النظیر نے ہر بیت کو دلہن کی طرح سجا دیا ہے لطف یہ کہ جتنی مرتبہ جس قدر غور سے پڑھا جائے ذائقہ سخن بڑھتا جاتا ہے اور جب ذہن اسکے دقائق اور نزاکت فن تک پہونچتا ہے تو وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ ایسے ایسے لطیف استعارے اور نازک خیالیوں کے نمونے موجود ہیں جو اردو شاعری کی انتہا ترقی کی خبر دیتے ہیں۔ اگر اس امر کو مد نظر رکھتے ہوئے گلزار نسیم پر تنقیدی نظر ڈالی جائے تو ہمیں ترقی یافتہ شاعری کے بہت سے ارکان مکمل دکھائی دیتے ہیں۔ اختصار پر تو اس مثنوی کی بنیاد ہی رکھی گئی ہے اور یہ التزام اول سے آخر تک قائم ہے۔ نازک خیالی اور جودت طبع کے نمونے بھی جا بجا جواہر ریزوں کی طرح ضو فشانی کر رہے ہیں۔ چونکہ اردو شاعری کی ابتدا سے فارسی کی تتبع ہے اسلئے شعرا کی تصنیفات حمد و نعت سے شروع ہوتی ہیں اور یہ طریقہ مسلمانوں ہی میں رائج نہیں بلکہ اہل ہنود بھی اس اصول کے پابند ہیں۔ پنڈت دیا شنکر نسیم نے بھی اپنی مثنوی میں ان امور کی پابندی کی ہے اور نہایت اختصار کیساتھ محض چار بیتوں میں اس وسیع میدان کو طے کر گئے ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ نام کی رعایت سے بہاریہ مضامین کیساتھ تمہید و تحمید کو دست و گریباں کر دیا ہے جو انکی مشاقی اور قدرت سخن پر دال ہے۔ ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری + ثمرہ ہے قلم کا حمد باری + کرتا ہے یہ دو زباں سے یکسر حمد حق و مدحت پیمبر + پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے + یعنی کہ مطیع پنجتن ہے + ختم اسپہ ہوئی سخن پرستی + کرتا ہے زباں کی پیش دستی + چاروں بیتوں میں سلسلہ بیان تدارج خیالات تناسب لفظی لطف بیان۔ جذب تخیل۔ جودت ذہن۔ اور نزاکت فن کیساتھ ساتھ صنائع و بدائع شعری کافی حد تک موجود ہیں۔

٭ لیتے تھے) چنانچہ پنڈت جی مثنوی لے کے آئے اور انتخاب کیا تو ایسا کہ عطر نچوڑ لیا۔

جسطرح اصولاً آغاز میں حمد و نعت لازم و ملزوم ہے اسیطرح مناجات بھی ضروری چیز خیال کیجاتی تھی یہ دستور محض ایشیا کے شعرا میں محدود نہیں رہا بلکہ مغربی شاعروں کی بھی بعض تصانیف میں مناجات جزو اعظم بنگئی ہے۔ نسیم نے بھی گلزار نسیم میں حمد و نعت کے بعد مناجاتیہ اشعار نظم کیے ہیں۔ اور محاورات کی پختگی۔ بلاغت و ترقی زبان کی کافی و وافی شہادت دیتی ہے لیکن اختصار کی چھری نے تیسرے اور پانچویں شعر میں تسلسل کے سلسلے کو قطع کر دیا ہے جس سے پڑھتے وقت نگاہ کو ٹھوکر لگتی ہے۔

یارب مرے خامہ کو زباں دے + منقار ہزار داستاں دے + افسانہ گل بکاولی کا + افسوں ہے بہار عاشقی کا + ہرچند سنا گیا ہے اُس کو + اُردو کی زباں میں سخنگو + وہ نثر تھا اور نظم دوں میں + اس مے کو دو آتشہ کروں میں + ہرچند وہ اگلے اہل فن تھے + سلطان قلمرو سخن تھے + آگے انکے فروغ پانا + سورج کو چراغ ہے دکھانا + پر بحر سخن سدا ہے باقی + دریا نہیں کار بند ساقی + طعنہ سے زبان نکتہ چیں روک + رکھ لی مری اہل خامہ میں نوک + خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر + ہے نیرنگ نسیم باغ کشمیر + نقطے ہوں سپند خوش بیانی + جدول ہو حصار بے خطائی + جو نقطہ لکھوں کہیں حرف آئے + مرکز پہ کشش مری پہنچ جائے۔ اب کچھ مثالیں رمز و کنایہ کی دکھائی جاتی ہیں اِس موقع پر اشارات کی پختگی کے ساتھ خیالات میں جو ترقی اور طرز بیان میں عجیب شوخی قابل داد ہے۔ عاشق و معشوق کی بذلہ و طباعی اور صنعت مکالمہ کے ساتھ تشبیہ و استعارہ اور محاورات کی خوبیاں بیان حق ادا کر رہی ہیں سے

تب وہ صبح ہو گیا فاش خنداں اٹھا وہ شاباش اس غنچہ دہن کا مسکرانا بے رنگ بکاولی نے جانا ہنستے ہو منھ کو کہا ہنسی کیوں
ہنستا نہیں بے سبب کوئی یوں بولا وہ کہ خواب دیکھتا تھا آتش کیا اب دیکھتا تھا بولی وہ کہ ہم بتائیں تعبیر دلسوزی کریگا کوئی دلگیر
بولا وہ کہ رات کو افق میں خورشید تھا آتش شفق میں بولی وہ کہ مہرباں تب و تب عالم میں ہو گر رونق افروز بولا وہ اک مقام ہوتھا۔
گلزار خلیل رہبر و تھا۔ بولی وہ بشر ہو تم دلاور سرسبز ہو قوم آتشی پر بولا کہ دیکھی اک شبستاں شعلہ ہوا انجمن تھی جہاں
بولی وہ کہ شعلہ میں پری ہیں جو ناچ نچا کے ناچتی ہوں بولا وہ کہ جب ہوا اجالا بخشا مہ انجمن نے ہالا ہالہ مہ انجمن کا کیا تھا
وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا گھبرائی پری کہ ہیں یہ کیا ہے بولا وہ کہ ہار تو لکھا ہے کاغذ تھی جیسکے رات لا پہچانتی ہو وہ طبلہ والا،

محاورات ضرب المثال کی بھی کمی نہیں نسیم کے کلام کی مقبولیت اس حد تک پہنچگئی ہے کہ مثنوی کے اشعار ضرب المثل کے موقع پر گوشزد ہوتے ہیں، نسیم سے مفر ہے نہ نات یامن پتھر کی لکیر داب ہے دامن کیا لطف جو غیر پردہ کھولے جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

گلزار نسیم میں سب سے بہتر خوبی یہ ہے کہ وہ اول سے آخر تک ایک رنگ میں شرابور ہے جو روش شروع میں اختیار کیگئی وہ آخر تک قائم ہے سب سے پہلے اختصار کو لیجیے۔ اسکی نسبت اہل زبان نسیم کا بہت درست دعویٰ ہے کہ کسی جگہ سے اگر ایک بیت بھی کم کیجائے تو قصہ کا تسلسل قائم نہیں رہ سکتا۔ یونہیں تناسب لفظی کی حالت ہے کہ مثنوی کی ہر بیت چوتھی کی لعبت معلوم ہوتی ہے۔ تلاش کرنیوالی نگاہیں بڑی چھان بین کے بعد سادی سے سادی بیت بھی نکالیں تو ایک صنعتوں کی

حقیقتاً پہلے نثر میں تصنیف ہوا تھا پنڈت دیاشنکر نسیم نے نظم کا خلعت عطا کر کے ۔

جھلک جگمگاتی دکھائی دے مثلاً ؎ ہاتھ اُس پہ اگر پڑا نہیں ہے۔ بو ہو کے تو گل اُڑا نہیں ہے۔
خیالات کو تشبیہ و استعارات کی صورت میں بیان کرنا شاعری کی آخری منزل اور معراج کمال ہے اور یہ فخر گلزار نسیم کو کما حقہٗ حاصل ہے۔ اسکے تمام مطالب اسی پیرایہ میں ادا ہوئے ہیں۔ فراق و وصال کے مناظر جنکی بنیاد ہی محض جذبات و حسیات قلبیہ پر منحصر ہوتی ہے صنائع و بدائع کے محتاج نہیں انکو جسقدر سادگی سے بیان کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے لیکن نسیم نے اپنا رنگ قائم رکھتے ہوئے معاملہ بندی میں بھی تناسب لفظی کو بدستور قائم رکھا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان موقعوں پر انکے سحر طراز قلم نے پورا جادو کر دکھایا ہے۔ ایک جگہ دل کی تصویر اُتارنے میں یوں نازک خیالی دکھائی ہے ؎
کاوش پہ ہوا اگر سوالماس ؛ غنچے نے بجھائی آگ کی پیاس ؛ پتھر ہجر کا دل گداز مرقع کھینچنے میں جو الفاظ اور خیالات صرف کئے ہیں انمیں مرصع کاری کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے ؎ صورت میں خیال رہ گئی وہ + ہیئت میں مثال رہ گئی وہ
جذبات رنج و غم اور غیظ و غضب کا منظر اس مثنوی (گلزار نسیم) کی جان ہے، جب بکاؤلی کا پھول چوری گیا ہے اور اسنے غصہ کی حالت میں لونڈیوں باندیوں اور باغ کے محافظوں کو عتاب آمیز عنوان سے مخاطب کیا ہے ایک ایسا نقشہ ہے جسمیں فطرت کی چلتی ہوئی تصویریں تصنع کے زیورات سے لدی پھندی دکھائی دیتی ہیں چونکہ چیزوں کے نام چمن سے مناسبت رکھتے ہیں اسلئے تلازمہ کی دلکش شان پیدا ہو گئی ہے اور شاعر نے فصاحت و بلاغت کی گلافشانی کرتے ہوئے زور بیان کی داد دی ہے ؎
سنبل مرا تازیانہ لانا شمشاد سر سولی پر چڑھانا نرگس نے نگاہ بازیاں کیں
سوسن نے زبان درازیاں کیں بتا بھی بتا کو جب نہ پایا کہنے لگیں کیا ہوا خدایا اینو میں سے پھول لے گیا کون بیگانہ تھا سبزے کے سوا کون
شبنم کے سوا چرانے والا اوپر کا تھا کون آنیوالا او باد صبا ہوا نہ بتلا خوشبو ہی سونگھا بتا نہ بتلا انگلی لب جو پہ رکھ کے شمشاد
تھا دم بخود اسکی سنکے فریاد ۔
اس قسم کی مثالوں سے مثنوی کا دامن بھرا ہوا ہے۔ ادائے مطالب کی جلوہ گری آپ اپنی نظیر ہے۔ زبان کی عمدگی۔ محاورات کی خوبی۔ صنائع و بدائع اور محاسن شعری کی دلکش سلاست بیان اور فصاحت نظم چستی بندش حسن تخیل سب ہی کچھ موجود ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ حسن فطری کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا گویا ابتدا سے انتہا تک آورد ہی آورد ہے ۔
پنڈت جی کی عمر نے وفا نہ کی ورنہ ممکن تھا کہ وہ کوئی اور مثنوی لکھ کے اس کمی کو پورا کر دیتے۔ انھوں نے اپنے استاد (آتش) کے سامنے سنہ ۱۲۶ھ میں انتقال کیا اور "گلزار نسیم" اپنی یادگار چھوڑی جو اردو زبان کی بقا و موجودگی تک سدا بہار بنی رہیگی"۔

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

پنڈت جی مثنوی ـــ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری — ثمرہ ہے قلم کا حمد باری
کرتا ہے یہ دو زباں سے یکسر — حمد حق و مدحت پیمبر
پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے — یعنی کہ مطیع پنجتن ہے
ختم اس پہ ہوئی سخن پرستی — کرتا ہے زباں کی پیشدستی

خواستگاری جناب باری سے مثنوی گلزار نسیم کی ترتیب کیواسطے

یا رب مرے خامے کو زباں دے — منقار ہزار داستاں دے
افسانہ گل بکاؤلی کا — افسوں ہو بہار عاشقی کا
ہر چند سنا گیا ہے اس کو — اردو کی زباں میں سخنگو
وہ نثر ہے داد نظم دوں میں — اس مے کو دو آتشہ کروں میں
ہر چند اگلے جو اہل فن تھے — سلطان قلم و سخن تھے
آگے ان کے فروغ پانا — سورج کو چراغ ہے دکھانا
پر بحر سخن سدا ہے باقی — دریا نہیں کار بند ساقی
طعنے سے زبان نکتہ چیں روک — رکھ لے مری اہل خامہ میں نوک
خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر — نیرنگ نسیم باغ کشمیر
نقطے ہوں سپید خوش بیانی — جدول ہو حصار سحر خوانی
جو نکتہ لکھوں کہیں نہ حرف آئے — ہرگز نہ کشش مری بہک جائے

داستان تاج الملوک شاہزادہ اور زین الملوک بادشاہ مشرق کی

روداد زبان باستانی — یوں نقل ہے خامے کی زبانی
پورب میں ایک تھا شہنشاہ — سلطان زین الملوک ذیجاہ
لشکر کش و تاجدار تھا وہ — دشمن کش و شہریار تھا وہ
خالق نے دیے تھے چار فرزند — دانا عاقل ذکی خردمند

نقشہ ایک اور نے جمایا
پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا

امید کے نخل نے دیا بار
خورشید حمل ہوا نمودار

وہ نور کے صدقے مہر انور
وہ رُخ کہ نہ ٹھہرے آنکھ جسپر

نور آنکھ کا کہتے ہیں پسر کو
چشمک تھی نصیب اُس پدر کو

خوش ہوتے ہی طفل مہ جبیں سے
ثابت یہ ہوا ستارہ بیں سے

پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھ اسی کو
پھر دیکھ نہ سکیے گا کسی کو

نظروں سے گرا وہ طفل ابتر
مانند سرشک دیدۂ تر

پردے سے نہ دایہ نے نکالا
پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا

تھا افسر خسرواں وہ گلفام
پالا تاج الملوک رکھ نام

جب نام خدا جواں ہوا وہ
مانند نظر رواں ہوا وہ

آتا تھا شکار گاہ سے شاہ
نظارہ کیا پدر نے ناگاہ

صاد آنکھوں کی دیکھ کر پسر کی
بینائی کے چہرے پر نظر کی

مہر لب شہ ہوئی خموشی
کی نور بصر سے چشم پوشی

دی آنکھ جو شہ نے رونمائی
چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی

ہر چند کہ پادشہ نے ٹالا
اُس ماہ کو شہر سے نکالا

گھر گھر یہی ذکر تھا یہی شور
خارج ہوا نور دیدۂ کور

آیا کوئی لے کے نسخۂ نور
لایا کوئی جا کے سُرمۂ طور

تقدیر سے چل سکا نہ کچھ زور
بینا نہ ہوا وہ دیدۂ کور

ہوتا ہے وہی خدا جو چاہے
مختار ہے جس طرح نباہے

جانا چاروں طرف شاہزادوں کا بتجویز کحال تلاش گل بکاؤلی کو

پایا جو سفید چشم صفحا
پتلی ہی قلم نے سرمہ کھینچا

تھا ایک کحال پیر دیریں
جیسی کی تھیں اُسنے آنکھیں دیکھیں

وہ مرد خدا بہت کراہا
سلطان سے ملا کہا کہ شاہا

ہے باغ بکاؤلی میں اک گل | پلکوں سے اُسی پہ مار جھگل
خورشید میں یہ ضیا کرن کی | ہے مہر گیا اُسی چمن کی
اُسنے تو گل ارم بتایا | لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا
شہزادے ہوئے وہ چاروں تیار | رخصت کیے شہ نے چار ناچار
شاہانہ چلے وہ لے کے ہمراہ | لشکر اسباب خیمے خرگاہ
وہ بادیہ گرد جا نہ برباد | یعنی تاج الملوک ناشاد
میدان میں خاک اُڑا رہا تھا | دیکھا تو وہ لشکر آ رہا تھا
پوچھا تم لوگ خیل کے خیل | جاتے ہو کدھر کو صورت سیل
بولا لشکر کا اک سپاہی | جاتی ہے ارم کو فوج شاہی
سُلطان زین الملوک شہزور | دیدار پسر سے ہو گیا کور
منظور علاج روشنی ہے | مطلوب گل بکاؤلی ہے
گل کی جو خبر سُنائی اُسکو | گلشن کی ہوا سمائی اُسکو
ہمرہ کسی لشکری کے ہوکر | قسمت پہ چلا یہ نیک اختر

غلام ہونا چاروں شاہزادوں کا جوسر کھیل کر دلبر بیسوا سے

نقطوں سے قلم کی مہرہ بازی | یوں لاتی ہے رنگ بد طرازی
یک چند پھرا کیا وہ انبوہ | صحرا صحرا و کوہ در کوہ
بلبل ہوئے سب ہزار جی سے | گل کا نہ پتا لگا کسی سے
وارد ہوئے اک جگہ سر شام | فردوس تھا اُس مقام کا نام
اک نہر تھی شہر کے برابر | ٹھٹکے سیارے کہکشاں پر
اک باغ تھا نہر کے کنارے | جو پاسے گل اُسطرف سدھارے
دلبر نام ایک بیسوا تھی | اُس ماہ کی واں دجامہ و زر
دروازے سے فاصلے پہ گھر تھا | نقارہ پہ لو سوے دلبر آیا
بجا وہ بجا نہ سکے انجان | نقارہ و چوب میں چلی چوٹ

آواز یہ وہ ملی ہوئی تھی ۔ آپ آن کے ٹھاٹ دیکھتی تھی
جس شخص کو مالدار پاتی ۔ باہر سے اُسے لگا کے لاتی
بٹھلا کے جوے کا ذکر اُٹھا کر ۔ چوسر میں وہ لوٹتی سراسر
جیت اسکی تھی ہاتھ جو کچھ آتا ۔ اُسکا کوئی ہتھکنڈا نہ پاتا
بلی کا سر چراغدان تھا ۔ چوہا پانسے کا پاسبان تھا
اُلٹاتی اڑی پہ قسمت آسا ۔ بلی جو دیا تو موش پاسا
جیتے ہوئے بندے تھے ہزاروں ۔ قسمت نے پھنسائے یہ بھی چاروں
صیادنی لائی پھانس کر صید ۔ کرسی پہ بٹھائے نقش اُمید
گھاتیں ہوئی دلرباؤں کی ۔ باتیں ہوئیں آشنائیوں کی
رنگ اسکا جما تو لا کے چوسر ۔ کھیلی وہ کھلاڑ بازی بدکر
وہ چھوٹ پہ تھی یہ میل سمجھے ۔ بازی چوسر کی کھیل سمجھے
مغرور تھے مال و زر پہ کھیلے ۔ سامان ہارے تو سر پہ کھیلے
بدبختی سے آخری جو اُٹھا ۔ بندا ہونا بدا ہوا تھا
دو ہاتھ میں چاروں اُسنے لوٹے ۔ پنجے میں پھنسے تو چھکے چھوٹے
اک اک سے رات بھر نہ چھوٹا ۔ پو پھٹتے ہی جگ انکا ٹوٹا
زندان کو سب چلے مچل مچل کر ۔ نردوں کی طرح پھرے نہ چلکر
لشکر میں سحر جو گیا سوے شہر ۔ پانی سا پھرا نہ جانب نہر

جیتنا تاج الملوک کا دلبر بیسوا کو اور چھوڑ کر روانہ ہونا تلاش گل بکاؤلی میں

لانا زر گل جو ہے ارم سے ۔ یوں صفحے پہ نقش ہے قلم سے
جاتا یک رواں کا گرد لشکر ۔ لیتے تاج الملوک ابتر
پایا جو سفید ہوا کہ یا الٰہی ۔ لشکر پہ یہ کیا پڑی تباہی
تھا ایک گمان تو لیجے چلکر ۔ گزرا در باغ بیسوا پر
وہ مرد خدا بلند پایہ ۔ نکلی اندر سے ایک دایہ

لڑکا کوئی کھو گیا تھا اُسکا
بولی وہ کہ نام کیا ہے تیرا
بولا وہ کہ نام تو نہیں یاد
لیکن یہ میں جانتا ہوں دلگیر
بیٹا وہ سمجھ کے جی سے اُسکو
جاتے تھے اُدھر سے دو جواری
کہتے تھے فریب دو کے کیا تم
ذکر اپنے برادروں کا سنکر
کون ایسی کھلاڑ بیسوا ہے
بولی وہ کہ ہاں جو اسے بدکام
بلی پہ چراغ رکھ کے شب کو
پالنے کی ہو کل چراغ کے ساتھ
شہزادے کہیں کے تھے بڑا اقبال
بھائی تھے جوش خون کہاں جائے
پالنے کا چراغ کا الٹ پھیر
سوچا وہ کہ اتنے ہم ہیں آگاہ
اک بلی جو چھیٹی چوہے کو بھانپ
سمجھا وہ کہ ہے شگون نرالا
جو سر ہی کے سیکھنے کو یکسر
اک روز اُسے ملگیا امیر ایک
اشراف سمجھ کے لے گیا گھر
اُس شکل کے جو ہاتھ میں زر آیا
ملتی تھی کھلاڑ ڈنکے کی چوٹ

ہمشکل یہ سر لقا تھا اُسکا
فرزند اسی شکل کا تھا میرا
طفلی میں ہوا ہوں خانہ برباد
مادر بھی مری تھی ایسی ہی پیر
گھر لائی رہنی خوشی سے اسکو
اک ایک کی کر رہا تھا خواری
شہزادے نہ ہم نہ بیسوا تم
بولا وہ عزیز سن تو مادر
شہزادوں کو جسنے نیچ کیا ہے
دلبر اک بیسوا ہے خودکام
چوسر میں وہ لوٹتی ہے سب کو
وہ بلی کے سر پہ جو ہے کے ہاتھ
بندھے ہوئے ہار کر زر و مال
صدمہ ہوا درد سے کہا ہائے
سوچا نہ اُٹھیں یہ دیکھو اندھیر
جیتے ہیں تو جیت لینگے ناگاہ
نیولے نے بھگا دیا دکھا سانپ
نیولا پکڑ آستین میں پالا
گھوما وہ برنگ زرد گھر گھر
وہ صاحب جاہ دل سے تھا نیک
بخشا اُسے اسپ و جامہ و زر
جانبازی کو سوئے دلبر آیا
نقارہ و چوب میں چلی چوٹ

آواز وہ سن کے در پہ آئی
ہمراہ اسے لیکے اندر آئی

کام اسکا تھا بسکہ کھیل کھانا
چوسر کا جما وہ کارخانہ

وہ چشم و چراغ بیسوا کے
کرنے لگے تاک جھانک آکے

نیولا وہ کہ مار آستین تھا
ٹلکی کے بجانے ہی وہیں تھا

بلی تو چراغ پا تھی خاموش
بل ہوگیا موش کو فراموش

ہنس ہنس کے حریف نے رلایا
مانند چراغ اسے جلایا

بارے بہزار بد دماغی
لی خضر نے غول سے چراغی؟

پانسے سے چلی نہ جعل سازی
اجڑی وہ بسا بسا کے بازی

سب ہار کے نقد و جنس بارے
جیتے ہوئے بندے بد کے ہارے

بنیاد جو کچھ تھی جب گنوائی
تب خود وہ کھلاڑ ٹھہرے آئی

پھر پانسے نے کی نہ پاسداری
ہمت کی طرح وہ دل سے ہاری

پانسے کی بدی سے ہے آشکارا
راجہ نل سلطنت سے ہارا

دانا کرے کب اسطرف میل
ہارا ہے جوے کے نام سے نیل

ہارے دیکھا جو بیسوا نے
بندہ کیا غیر کا خدا نے

سوچی کہ نہ اب بھی چال رہیے
شادی کا مزہ نکال رہیے

بولی بہزار عجز و زاری
تم جیتے میاں میں ہے ہاری

لونڈی ہوں نہیں عدول مجھکو
خدمت میں کرو قبول مجھکو

بولا وہ کہ سن یہ پیش بند سے چھوڑ
نقارہ زر کو چوب سے توڑ

یہ مال یہ زر یہ جیتے بندے
یوں نہیں انھیں رکھ بجنس چندے

بالفعل ارم کو جاتے ہیں ہم
انشاءاللہ پھر آتے ہیں ہم

بولی وہ سنو تو بندہ پرور
گلزار ارم ہے پریوں کا گھر

انسان و پری کا سامنا کیا
مٹی میں ہوا کا تھامنا کیا

شہزادہ ہنسا کہا کہ دلبر
کچھ بات نہیں جو رکھیے دلپر

انسان کی عقل اگر نہ ہو گم ہر چشم پری میں جا ہے مردم
یہ کہہ کے اُٹھا کہا کہ نوجواں جاتے ہیں کہاں خدا نگہباں
دولت تھی اگرچہ اختیاری پا مردی سے اسپ لات ماری
جز جیب نہ مال پر پڑا ہاتھ جز سایہ نہ کوئی بھی لیا ساتھ
درویش تھا بندۂ خدا وہ اللہ کے نام پر چلا وہ

پہونچنا تاج الملوک کا سرنگ کھدوا کر باغ بکاؤلی میں اور گل لیکر پھرنا

کرتا ہے جو طے سواد نامہ یوں حرف ہیں نقش پائے خامہ
وہ دامن دشت شوق کا خار یعنی تاج الملوک دل زار
اک جنگلے میں جا پڑا جہاں گرد صحرائے عدم بھی تھا جہاں گرد
سائے کو پتا نہ تھا شجر کا عنقا تھا نام جانور کا
مُرغان ہوا تھے ہوش راہی نقش کف پا تھی ریگ ماہی
وہ دشت کہ جس میں پر تگ و دو یا ریگ رواں تھی یا وہ رہرو
ڈانڈا ملتا ارم کے پادشا کا اک دیو تھا پاسباں بلا کا
دانت اُسکے گورکن قضا کے دو نتھنے رہ عدم کے ناکے
سر پر پایا بلا کو اُس نے تسلیم کیا قضا کو اُس نے
بھوکا کئی دن کا تھا وہ ناپاک فاقوں سے رہا تھا پھانک کر خاک
بے ریشہ یہ طفل نوجواں تھا حلوائے بے دود سے گماں تھا
بولا کہ چکھوں گا میں یہ انساں اللہ اللہ شکر احساں
شہزادہ کہ منہ میں تھا اجل کے اندیشے سے رہ گیا دہل کے
مہلت مارنے کی ہوئی جو دیری سبحان اللہ شان تیری
اُشتر کئی جاتے تھے اُدھر سے پُر آرد و روغن و شکر سے
وہ دیو لپک کے مار لایا غُرّاتے ہوئے شکار لایا
اونٹوں کی جو لوتھیں ڈھو لایا دم اسکا نہ اُس گھڑی سمایا

پورا کے وہیں وہ بار بردوش
چاہا اُس نے کہ مار ڈالو
وہ اونٹ تھے کاروانیوں کے
میدا بھی شکر بھی گھی بھی پایا
میٹھا اس دیو کو کھلاؤ
حلوے کی پکا کے اک کڑاہی
ہرچند کہ تھا وہ دیو کڑوا
کہنے لگا کیا مزا ہے دیکھو واہ
چیز اچھی کھلائی تو نے مجھ کو
بولا وہ کہ پہلے قول دیجے
وہ ہاتھ پر اسکے مار کر ہاتھ
بولا وہ کہ قول اگر یہی ہے
گلزار ارم کی ہے مجھے دھن
خورشید کے ہم نظر نہیں ہے
واں موج ہوا پہ اژدر
ہوتا نہ جو قول کا سہارا
رہ جا مرا بھائی ایک ہو اور
اک ٹیکرے پر گیا بلایا
حال اُس سے کہا کہ قول ہارا
مشتاق ارم کی سیر کا ہے
حمالہ نام دیوانی ایک
خط اسکو لکھا بایں عبارت
پیارا یہ مرا ہے آدمی زاد

بیٹھا تو گرا گرا تو بیہوش
یا بھاگ سکو تو راستہ لو
سب بھاگ اٹھے مہانیوں کے
خاطر میں یہ اُس بشر کے آیا
گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو
شیرینی دیو کو چڑھائی
حلوے سے کیا منہ اسکا میٹھا
سالے آدمی زاد واہ وا واہ
کیا اسکی عوض میں دوں میں تجھ کو
کہہ دیں جو کہوں قبول کیجے
بولا کہ ہے قول جان کے ساتھ
بد عہدی کی خو نہیں سنی ہے
بولا کہ ارے بشر وہ گلبن
اندیشے کا واں گذر نہیں ہے
واں رنگ زمیں زمیں پہ اخگر
بچتا نہ کہیں تو بشر ہمارا
شاید کچھ اُس سے بن پڑے طور
✓ وہ رشک صدا سے تو وہ آیا
ہے پسر یہ نوجوان ہمارا
کوشش کرو کام خیر کا ہے
چھوٹی بہن اُسکی تھی بڑی نیک
اے خواہر مہربان سلامت
رکھیو اسے جس طرح مری یاد

انسان ہے چاہے کچھ جو سازش
خط لے کے بشر کو نے اڑا دیو
بھائی کا جو خط بہن نے پایا
اُس دیونی پاس اک حسین تھی
محمودہ نام دُخت آدم
جوڑا ہمجنس ہاتھ آیا
دن بھر تو الگ تھلگ ہی تھے وہ
تھے ضبط و حیا کے امتحان میں
آپس میں کھلے نہ شرم سے وہ
بولا وہ فسردہ دل سحرگاہ
بولی وہ کہ ہونے کو ہوا ہے
بولا وہ تجھی تو چاہتا ہوں
پیراہن گل کی بو تھی مطلوب
اول کبھی بدنگاہی اپنی
کھولی تھی زبان منھ اندھیرے
پوچھا حمالہ نے مری جان
بولی وہ کہ کہتے آتی ہے شرم
ناکامی کے جب وہ طور بھی
پوچھا کہ بتا تو روگ کیا ہے
بولی وہ کہ ہے تو درد لیکن
وہ بولی جو تو کہے زباں سے
جھک کر کو چھپا کے زیر چادر
باپ اسکا ہے اندھے پن سی مجہول

مہمان ہے کیجیو نوازش
پہونچا حمالہ پاس لے کے دیو
بھیجے ہوئے کو گلے لگایا
زنبور کے گھر میں انگبیں تھی
لے آئی کسی کو دیکھ کے دیونی دم
محمودہ سے گلے لگایا
دو وقت سے شام کو ملے وہ
پردہ رہا ماہ میں کتاں میں
خاطر کی طرح گرہ رہے وہ
کیا سرد ہوا ہے واہ وا واہ
جو غنچے کو گل کرے صبا ہی
گل پاؤں تو میں ابھی ہوا ہوں
یوسف نے کہا وہ حال یعقوب
بعد اُسکے وہ سب تباہی اپنی
کہتے سُنتے اُٹھے سویرے
ہمجنس ملا نکالے ارمان
دل سرد رہا بغل ہوئی گرم
وہم اُسکو ہوا کچھ اور بھی
درماں ہی کہ درد لا دوا ہے
تم چاہو تو ہے دوا بھی ممکن
تارے تو اُتاروں آسماں سے
محمودہ نے کہا کہ مادر
مطلوب بکاؤلی کا ہے پھول

سا داغ اسکا برائے گل ہے
نرگس کے لیے ہوائے گل ہے

ساعی تھی بدل پہ کہنے والی
راہ اُسنے سرنگ کی نکالی

دیوؤں سے کہا کہ چہ سے بنجاؤ
تا باغ ارم سرنگ پہونچاؤ

سن حاجت نقب بہر گلگشت
کترا چوہوں نے دامن دشت

پوشیدہ زمیں کے دلمیں کی راہ
جد باندہ کے خوش پھرے اُسی راہ

جب مہر تہِ زمیں سمایا
اُس نقب کی راہ وہ آدم آیا

صحنِ چمنِ ارم میں اک جا
ٹوٹا سا تہِ زمیں سے نکلا

کھٹکا جو نگاہبانوں کا تھا
دھڑکا یہی دل کا کہہ رہا تھا

گوشے میں کوئی لگا نہ ہووے
خوشہ کوئی تاکتا نہ ہووے

گو باغ کے پاسباں غضب تھے
خوابیدہ برنگ سبزہ سب تھے

نرگس کی کھلی نہ آنکھ یک چند
سوسن کی زباں خدا نے کی بند

خوش قد وہ چلا گل و چمن میں
شمشاد رواں ہوا چمن میں

ایوانِ بکاؤلی جدھر تھا
حوض آئینہ وار ہم و در تھا

رکھتا تھا وہ آب سے سوا تاب
چندے خورشید و چندے مہتاب

پھول اُسکا اندھے کی دوا تھا
رشکِ جامِ جہاں نما تھا

پانی کے جو بلبلوں میں تھا گل
پہونچا لبِ حوض سے نہ چنگل

پوشاک اُتار اُتر کے لایا
پھولا نہ وہ جامے میں سمایا

گل لے کے بڑھا ایاغ بر کف
چوری سے چلا چراغ بر کف

بارہ دری واں جو سونے کی تھی
سو خواب گہِ بکاؤلی تھی

گول اسکے ستوں تھے ساعدِ حور
چلمن مژگانِ چشمِ مخمور

دکھلاتا تھا وہ مکان جادو
محراب سے در سے چشم و ابرو

پردہ جو حجاب سا اُٹھایا
آرام میں اُس پری کو پایا

بند اسکی وہ چشمِ نرگسی تھی
چھاتی کچھ کچھ کھلی ہوئی تھی

سمٹی تھی جو محرم اُس قمر کی — بُرجوں پہ سے چاندنی تھی سرکی
لپٹے تھے جو بال کروٹوں میں — بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں
چاہا کہ بلا گلے لگا وے — سوتے ہوئے فتنے کو جگا وے
سوچا کہ یہ زلف کف میں لینی — ہے سانپ کے منہ میں انگلی دینی
یہ پھول انھیں اژدہا کا ہے من — یہ کالے چراغ کے ہیں دشمن
گل چھین کے ہنسی نہ ہووے باطل — خندہ نہ ہو برق حاصل گل
پھر سمجھیں گے ہے جو زندگانی — کچھ نام کو رکھ چلو نشانی
انگشتری اپنی اُس سے بدلی — مہر خط عاشقی سند لی
آہستہ پھرا وہ سرو بالا — سایہ بھی نہ اُس پری پہ ڈالا
ہیبت سے زمیں کے دل میں آیا — اندیشے کی طرح سے سمایا
جب نقب افق سے مہر تاباں — نکلا تو وہ ماہ رو شتاباں
گل ہاتھ میں مثل دست بیضا — اُس نقب کی آستیں سے نکلا
وہ دیونی اور وہ دختر انساں — دونوں تھیں اسی کی منتظر واں
گل لے کے جب آ ملا وہ گلچیں — اُس نقب کی رخنہ بندیاں کیں

آوارہ ہونا بکاولی کا تاج الملوک گلچیں کی تلاش میں

گل کا جو الم چمن چمن ہے — یوں بلبل خامہ نعرہ زن ہے
گلچیں نے وہ پھول جب اُڑایا — اور غنچۂ صبح کھلکھلایا
وہ سبزۂ باغ خواب آرام — یعنی وہ بکاؤلی گل اندام
جاگی مرغ سحر کے غل سے — اُٹھی نکہت سے فرش گل سے
مُنہ دھونے جو آنکھ ملتی آئی — پُر آب وہ چشم حوض پائی
دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے — کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے
گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گل — جھنجھلائی کہ کون دے گیا جل
ہے ہے مرا پھول لے گیا کون — ہے ہے مجھے خار دے گیا کون

ہاتھ اُس کے اگر پڑا نہیں ہے
نرگس تو دیکھا کدھر گیا گل
سنبل مرا تازیانہ لانا
ٹھہرا ہیں خواصیں صورت بید
نرگس نے نگاہ با زباں کیں
پتا بھی پتے کو جب نہ پایا
اِن پتوں میں سے پھول لے گیا کون
شبنم کے سوا چرانے والا
جس گلشن میں وہ گل ہو داغ ہو جائے
بولی وہ بکاؤلی کہ اے سوسن
آنکھوں سے عزیز گل مرا تھا
نام اُسکا صبا نہ لیتی تھی میں
گلچیں کا جو ہاتھ سے لوٹا
او خار پڑا نہ تیرا چنگل
او باد صبا ہوا نہ بتلا
بلبل تو چہک اگر خبر ہے
لرزاں تھی زمیں پہ دیکھ کہرام
انگلی لب جو پہ رکھ کے شمشاد
چنچل تھا سوچ میں کھڑا تھا
رنگ اُسکا غش میں لگا بدلنے
بدلے کی انگوٹھی ڈھیلی پائی
خاتم تھی نام کی نشانی
ہاتھوں کو ملا کہا کہ ہیہات

بو ہو سکے تو پھول اُڑا نہیں ہے
سوسن تو بتا کدھر گیا گل
شمشاد انھیں سولی پر چڑھانا
ایک ایک سے پوچھنے لگی بھید
سوسن نے زبان درازیاں کیں
گھٹنے لگیں کیا ہوا خدایا
بیگانہ تھا سبزے کے سوا کون
تھا اور پری کون آنے والا
جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے
غفلت سے یہ پھول پڑی اوس
سنبل وہی چشم خوض کا تھا
اِس گل کو ہوا نہ دیتی تھی میں
غنچے کے بھی منہ سے کچھ نہ پھوٹا
مشکیں کس لیں نہ تو نے سنبل
خوشبو ہی سنگھا پتا نہ بتلا
گل تو ہی مہک بتا کدھر ہے
تھی سبزے سے راستی ہو براندام
تھا دم بخود اُسکی سُنکے فریاد
جو برگ تھا ہاتھ مل رہا تھا
گلبرگ سے کف لگی وہ ملنے
دست آویز اسکی ہاتھ آئی
انسان کی دست برد جانی
خاتم بھی بدل گیا ہے بد ذات

جس نے مجھے ہاتھ سے لگایا　　وہ ہاتھ لگے کہیں خدایا
عریاں مجھے دیکھ کر گیا ہے　　کھال اسکی جو کھینچئے مزا ہے
یہ کہہ کے جنوں میں ہو غضبناک　　خوں رو لی لباس کو کیا چاک
گل کا سا لہو بھرا گریباں　　نشتر سے کا سا تار تار داماں
دکھلا کے کہا سمن پری کو　　اب چین کہاں بکاؤلی کو
تھی بسکہ غبار سے بھری وہ　　آندھی سی اٹھی ہوا ہوئی وہ
کہتی تھی پری کہ اڑ کے جاتی　　گلچیں کا کہیں پتا لگاتی
ہر باغ میں پھولتی پھری وہ　　ہر شاخ پہ جھولتی پھری وہ
جس تختے میں مثل باد جاتی　　اس رنگ سے گل کی بو نہ پاتی
بے وقت کسیکو کچھ ملا ہے　　پتا کہیں حکم بن ہلا ہے

پہونچنا تاج الملوک کا ایک اندھے فقیر کے تکیے پر اور آزمانا گل کا

پھرنا جو وطن کا مدعا ہے　　اب صفحہ پہ یوں قلم پھرا ہے
وہ گلشن مدعا کا گلچیں　　یعنی تاج الملوک حق بیں
جس وقت وہ گل چمن سے لایا　　محمودہ خوش ہوئی کہ آیا
کہنے لگی لو مراد پائی　　بولا وہ جو یاں سے ہو رہائی
گل کی وہ غرض کر آشکارا　　جو بن کی طرح اسے ابھارا
جب دیو سیاہ شب سے مہتاب　　رخصت ہوا جیسے چشم سے خواب
اور گل لیے آفتاب تاباں　　ہنگام سحر ہوا شتاباں
وہ مہروش اور وہ ماہ پیکر　　اس دیونی پاس آئی مضطر
گل کی وہ غرض جتائی اسکو　　رخصت کی طلب سنائی اسکو
کیا کہتی وہ دیونی کہا جاؤ　　دیووں سے کہا کہ تخت لے آؤ
دو بال دیے کہ لو مری لاگ　　جب وقت پڑے دکھائیو آگ
دیو اُن کو سریر پر بٹھا کے　　پرواز کناں ہوا پہ جا کے

بولے کہ کدھر چلو گے کہہ دو — فردوس کے رخ کہا ادھر کو
وہ مڑ کے ادھر کو اڑ کے آئے — گلزار میں بیسوا کے لائے
وقت سحر اور خنک ہوا تھی — گلگشت چمن میں بیسوا تھی
چار آنکھیں ہوئیں تو تھی شناسا — قدموں پہ گری وہ سایہ آسا
صدقے ہو کر کہا خوش آئے — جس گل کی ہوا لگی تھی لائے
ہمراہ یہ کون دوسری ہے — سایہ ہے کہ ہمقدم پری ہے
بولا شہزادہ شکر ہے ہاں — پر ہے گل آرزو سے داماں
محمودہ نام ہے جو یہ ساتھ — پھول انکے سبب سے آگیا ہاتھ
جیتا جو پھرا وہ رشک شمشاد — قیدی کیے بیسوا نے آزاد
شہزادے نے بھائیوں کے نام — بھجوایا برائے داغ پیغام
چھوٹوں اسنے تھا انکو تاپا — پہنچوں چھوٹوں نے داغ کھایا
داغا تو چلے تفنگ سے وہ — چھوٹے قید فرنگ سے وہ
چھوڑا ہوس گل چمن کو — چاروں داغی پھرے وطن کو
بندوں کو کیا جب اسنے آزاد — آیا لب جو یہ رشک شمشاد
اسباب کو کشتیوں پہ کر بار — سونپا سب ناخدا کو گھر بار
جب متصل آگیا وطن کے — خندے یاد آئے مرد و زن کے
سوچا میں خود ہوں خانہ برباد — کیا جانیے کیا پڑے گی افتاد
لازم ہے گل اپنے ہاتھ رکھیے — معشوق نہیں کہ ساتھ رکھیے
لشکر کا آنکھیں کیا اشارہ — خود کشتی سے کر گیا کنارہ
وہ لور بی کر کے جوگیا بھیس — جنگل کی راہ سے چلا دیس
سمجھے وہ فقیر پیر زادہ — اک گوشے میں آنکھیں ملتا تھا
تھا نقش قدم سا خاک رہ پر — گھونگھٹ ادا مسافر اس پر
بے تحفہ پہ نکلی تھا لیکن گل — وا جب نکلی آنہ نا لیکن گل

پتلی پہ زرِ گل آزمایا — سونے کو کسوٹی پر چڑھایا
گل سے ہوئی چشم کور تاباں — ہو جیسے چراغ سے چراغاں
منہ دیکھ کے اُس نے دیں دعائیں — بیٹے سے مژہ کے لیں بلائیں
گل کے جو اثر سے شادماں تھا — گلچین وہ ہوا سے ہمعناں تھا

ملنا چاروں شہزادوں کا اور چھین جانا گل بکاؤلی کا تاج الملوک سے اور بینا ہونا چشم زین الملوک کا

ہر بسکہ پئے چرخ جور پیشہ — یوں خار بہ رہ قلم ہے ریشہ
یہ جاتے کہ اُسی جگہ پہ ناگاہ — آ پہنچے وہ چاروں غول ہمراہ
سنتے تھے کہ واہ رے مقدر — کس شکل سے پھر کے جاتے ہیں گھر
کیا رنگ زمانہ نے دکھائے — گل لینے گئے تھے داغ لائے
کس منہ سے پدر کے آگے جائیں — کیوں نکہت بے پھول منہ دکھائیں
ٹھہرائی کہ اور پھول لیجائیں — کحال کو بے وقوف ٹھہرائیں
اک باد ہوائی توڑ کر پھول — کہنے لگے پھول پھول کر غول
کیا پھول ہے کیا اثر ہے اس میں — ہو جاتی ہیں روشن اندھی آنکھیں
وہ کور کہ ہو چکا تھا بینا — دیکھا اُس نے جو یہ قرینا
بولا کہ یہ گل وہ گل نہیں ہے — اُس پھول کی اور گلزمیں ہے
وہ جوگی جو جاتے ہیں اگر آئیں — دکھلائیں وہ گل تو آنکھیں کھلجائیں
میں کور ابھی ہو چکا ہوں بینا — اندھا نہیں اب ہوا ہوں بینا
چاروں کو لگی حسرت گل تر — جھپٹا وہ ہوا کی طرح چل کر
اُس جوگی کے جب برابر آئے — باہم کہا دیکھو پھول لائے
گل ہے کہ علاج نور ہے یہ — گل ہے کہ چراغ طور ہے یہ
جوگی کہ یعنی وہ شاہزادہ — بولا کہ بکو نہیں زیادہ
پاتے اگر اُس درخت کی چھانوں — رکھتے ہی نہ تم زمین پہ پانوں

ڈینگ آپ کی سب فضول ہے یہ — وہ گل یہ نہیں وہ پھول ہے یہ
یہ کہہ کے جو جیب سے نکالا — اُن مفت بروں نے ہاتھ ڈالا
قوت میں وہ چار تھے یہ بیکس — شورش میں وہ چار موج یہ خس
غولوں نے بزور پھول اُڑایا — اُس خضر کو راستہ بتایا
گل پانے سے بسکہ سرخرو تھے — گھوڑوں پہ ہوا کے مثل بو تھے
تعجیل سے رو براہ آئے — گل لے کے حضور شاہ آئے
گل لائے جو نور دیدہ و نخواہ — آنکھوں کی طرح پھڑک گیا شاہ
نیچے سے پلک کے پھول اُٹھایا — اندھے نے گل آنکھوں سے لگایا
نور آ گیا چشم آرزو میں — آیا پھر آب رفتہ جو میں
خورشید بصر گہن سے چھوٹا — خیرات کے در کا قفل ٹوٹا
دولت جو پاس تھی لٹائی — زر بخشا گل کی رونمائی
ایک ایک کو اسقدر دیا زر — محتاج و گدا ہوئے تونگر
بجوائے طرب کے کارخانے — بجوائے خوشی کے شادیانے

پہونچنا بکاؤلی کا دار الخلافت زین الملوک میں اور وزیر ہوکر تاج الملوک کی تلاش میں رہنا

گلچیں کا جواب پتا ملا ہے — یوں شاخ قلم سے گل کھلا ہے
وہ باد چمن چمن خراماں — یعنے وہ بکاؤلی پریشاں
گلشن سے جو خاک اُڑاتی آئی — اُس شہر میں آ کے آ نکل آئی
دیکھا تو خوشی کے چہچہے تھے — گلچیں کے شگوفے کھل رہے تھے
گلبانگ زباں تھا جو جہاں تھا — ایک ایک ہزار داستاں تھا
پاتے ہی پتا خوشی سے پھولی — شاد ایسی ہوئی کہ رنج بھولی
جادو سے بنی وہ آدمی زاد — انسانوں میں آملی پریزاد
سلطان کی سواری آرہی تھی — صورت جو نگاہ کی پری تھی
پوچھا اسے آ دم پری رو — انسان ہے پری ہے کون ہے تو

کیا نام ہے اور وطن کدھر ہے — ہے کون سا گل چمن کدھر ہے
دی اُسنے دعا کہا بصد سوز — فرخ ہوں تنہا میں ابن فیروز
گل ہوں تو کوئی چمن بتاؤں — غربت زدہ کیا وطن بتاؤں
گھربار سے کیا فقیر کو کام — کیا لیجئے چھوڑے گانوں کا نام
پوچھا کہ سبب کہا کہ قسمت — پوچھا کہ طلب کہا قناعت
باتوں پہ فدا ہوا شہنشاہ — لایا بصد امتیاز ہمراہ
چہرے سے امیرزادہ پایا — گھر لا کے وزیر اُسے بنایا
نذریں لیے بندگان درگاہ — دستور سے آملے بصد جاہ
دربار میں چاروں شاہزادے — دیکھے تو کھلے وہ دل کے سادے
چاہا گلچیں کا امتحاں لے — پوچھا کہ نگیں جو لے کہاں لے
بتلانے لگے وہ چاروں ناداں — کوئی یمن اور کوئی بدخشاں
جانا کہ جو گل یہ لائے ہوتے — خاتم کے نگیں بنائے ہوتے

تجویز میں تھا یہ صاحبِ فکر — آیا تاج الملوک کا ذکر
نفس اسکو ہوا کہ بس وہی ہے — ان سادوں نے کندہ کب ہوئی ہے
ظاہر نہ کیا بطون اپنا پوشیدہ — طالع سے لیا شگون اپنا
منزل گہ رہرواں بنا کے — شام و سحر اسمیں آپ آکے
رہرو کو دیا بلطف و اکرام — آرام جانے بیعنام
آباد ہو تاج الملوک کا گلشن نگارین بنوا کے اور شہرہ ہونا
تعمیر مکاں سے ہیں جو آثار — یوں خامہ ہے بہر بیت معمار
شہزادہ کہ عازم وطن تھا — گل پانے سے خوش تن چمن تھا
اندھے کو کیا جب اُسنے بینا — اور واغیوں نے وہ پھول چھینا
سوچا کہ خوشی خدا کی غم کھاؤ — حمالہ دیوی کو بلواؤ
نقل ارم اک مکان بنا کے — رکھوں پریوں کو اپنی لا کے

بال آگ پہ رکھتے آندھی آئی   وہ دیوتی بال باندھی آئی
تنہا اسے دیکھ کر کہا ہیں   محمودہ کیا ہوئی کہاں ہیں
دریا پہ ہوں ان کو چھوڑ آیا   مسکن کے لیے تمھیں بلایا
لیکن وہ مکان وہ حوض وہ باغ   جو باغ بکاؤلی کو دے داغ
حمالہ نے دیوؤں کو کیا یاد   آئے تو کہا یہ بن ہو آباد
ویرانے کو گل زمیں بناؤ   گلزار ارم جو اہرمن بناؤ
صناع طلسم کار تھے وہ   گلشن کے لیے بہار تھے وہ
دیوؤں نے ادھر محل بنایا   کشتی سے وہ دخت رز کو لایا
حمالہ اس کی مادر پیر   محمودہ سے ہوئی بغل گیر
کچھ دیوؤں کو چھوڑ کر وہیں پر   رخصت ہو کر چلی گئی گھر
گلشن میں سمن بروں کو لایا   نسرین بدنوں سے گھر بسایا
دونوں کو محل میں لا کے رکھا   پھل نخل مواصلت کا چکھا
دیوؤں کو کہا کہ بھر مشکیں   آباد ہو گلشن نگارین
دو لو آدمی بسا کے بن میں آئے   آنے جانے کو گھیر لائے
جو سن کے خبر گیا ادھر کو   جنت سے وہ ٹھہرا نہ گھر کو
ازبسکہ قریب شہر تھا باغ   خورشید افق نظر پڑا باغ
مفلس زردار امیر قلاش   نوکر تاجر فقیر خوش باش
گھر چھوڑ کے چل بسے سب انسان   پھر تن میں بس آگئے صفوت جان
ملاقات ٹھہری زین الملوک اور تاج الملوک کی آپس میں
گلشن جو بنا جو اُدھر آگیں   یوں صفحہ قلم سے ہے نگارین
ساعد نام ایک مہ لقا تھا   دلبر کا غلام باوفا تھا
صحرا سے کچھ سیر کر کے آیا   لکڑی کا چکا سے بوجھ لایا
دلوائے ہر ایک کو بے قوت   الماس و عقیق و لعل و یاقوت

تھی بسکہ وہ جا خلاصۂ دہر — کچھ ٹھہر کے پھر آئے جانب شہر
کف میں وہ لعل بے بہا تھے — منّ پاتے ہی لوگ اژدہا تھے
شحنے نے سُنا پکڑ بلایا — لے کر اظہار ساتھ آیا
دیکھا تو وہ جلوہ گاہ اُمید — اک دائرہ تھا برنگ خورشید
دروازے پہ دیوؤں کا تھا پہرا — بھجوا کے خبر وہ شحنہ ٹھہرا
جب واں سے طلب ہوا تو دربان — لائے اُسے پیشگاہ سلطان
آداب کیا ادب سے ٹھہرا — ہیبت زدہ دور سے ٹھہرا
اُن لوگوں کو لے گیا تھا ہمراہ — معروض کیا کہ یا شہنشاہ
کم مایہ یہ لوگ ہیں بظاہر — چوری سے کے تو یہ نہیں جواہر
ساعد نے کہا کہ ہے یہ حاسد — نیت ہوئی ہوگی اسکی فاسد
حضرت یہ وہی تو ہیں تبردار — جا لُٹنے نہ بولیو خبر دار
پھر کر اُنھیں پاؤں شحنہ بے آس — آیا زین الملوک کے پاس
کی عرض کہ باغ اک بنا ہے — یہ شہر اُجڑا ہے وہ بسا ہے
جو کوئی بسے اُس جگہ پہ جاتا — ڈھیروں سے ہے جواہرات پاتا
حضرت نے کہا کہ بک نہ خیرہ — قارون کا وہیں ہو گیا ذخیرہ
فرخ کہ وزیر باخرد تھا — سلطاں کا مشیر نیک و بد تھا
بولا کہ شہا یہ بات کیا ہے — نیرنگ و فسوں کا گھر بڑا ہے
ہر چند کہ طرفہ حال ہے یہ — مجھ دُور نہیں مثال ہے یہ

حکایت ایک عورت کے مرد بنجانے کی دیو کے جادو سے

اک ملک میں ایک صاحب فوج — رکھتا تھا محل میں بار ور زوج
تھا داغ پسر مقدّر اس کو — جنتی تھی ہمیشہ دختر اسکو
از بسکہ وہ شاہ تھا بد اختر — کرتا تھا حسد سے قتل دختر
اک بار محل میں پھر حمل تھا — وہ شاہ کہ ظلم میں مثل تھا

کھا بیٹھا قسم کہ اب کی باری
بیٹا جو نہ دے جناب باری

اقبال کا کچھ نہ جانے اوج
کر ڈالیے ذبح دختر و زوج

کنیاں تھی غرض کہ راس اسکی
پوری نہ ہوئی وہ آس اُسکی

سلطاں کا جو عہد بے خلل تھا
گھر والوں کو خوف کا محل تھا

ملحوظ بدل تھا پردۂ راز
سیارہ شناسوں سے کیا ساز

ہر چند ستارہ ماں کا تھا ماند
تھی چاندنی شہرہ کر دیا چاند

پھر اہل نجوم محرم راز
بانو نے فلک سے ہو گئے دمساز

بیٹے کا وہ زائچہ بنا کے
گویا ہوئے دست بستہ آ کے

حضرت یہ پسر ہے نیک اختر
بد بیں مگر ہے ایک اختر

جبتک نہ چلے یہ اپنے پاؤں
حضرت نہ پسر کے سامنے ہوں

حیلہ کر کے چھپا لی یک چند
بیتاب ہوا جب آرزومند

وہ گندم جو نما تھی بالی
مردانہ لباس سے نکالی

خوش ہو گئے پدر نے پھر شادی
ٹھہرائی کہیں کی شاہزادی

بن ٹھن کے عروس شکل داماد
شادی کو چلی بجان ناشاد

اک شب کسی دشت میں تھے ڈیرے
اور روز نکاح تھا سویرے

خیمے سے وہ بیقرار نکلی
اُس پھالے سے مثل خار نکلی

دیکھا تو اندھیری رات سنسان
اک عالم ہو ہے اور بیاباں

اک دیو وہاں پہ گشت میں تھا
جویائے شکار دشت میں تھا

دیکھا تو کہا خضر سے آؤ
منھ کھولو عدم کی راہ بتلاؤ

بولا وہ کہ سُن تو آدمی زاد
کیوں تنگ ہوئی ہے کیا ہے بیداد

اے مرد خدا خدا کی سوگند
کہہ جس لیے ہو تو آرزومند

بولی وہ کہ یہ خیال ہے خام
خنجر کا ہو کیا نیام سے کام

کہہ کر کھلے بندوں جی کی تنگی
بے ننگ ہوئی وہ شوخ ننگی

آنکھیں جھپکا کے دیو بولا — تو کیا کھلی پردہ تو نے کھولا
خاطر تری سے طلسم دکھلاؤں — تو مجھ سی سنے میں تجھسا بن جاؤں
موند آنکھ کہا تو موند لی آنکھ — کھول آنکھ کہا تو کھول دی آنکھ
پائے مردانگی سے پر تو — دامن میں سے دی چراغ نے لو
تھالی میں یہاں اُگا صنوبر — واں شیشہ رہا ترش کے ساغر
اب یاں سے ہے قصہ مختصر طول — فرخ کہ وہ تھا وزیر معقول
بولا کہ سہا جو یہ ہوا ہے — اس بات کا کچھ وجود کیا ہے
شہ نے کہا سن وزیر دانا — بے دیکھے سنے کو کہتے مانا
یاد آ گئی مجھے بھی اک روایت — یہ کہہ کے بیان کی حکایت

حکایت نصیحتگری مرغ اسیر اور نافہمی صیاد کی

اک مرغ ہوا اسیر صیاد — دانا تھا وہ طائر چمن زاد
بولا جب اُسنے باندھے بازو — کھلتا نہیں کس طمع پہ ہے تو
بیچا تو ٹکے کا جانور ہوں — گر ذبح کیا تو مشت پر ہوں
پالا تو مفارقت ہے انجام — دانا ہو تو مجھ سے لے مرے دام
بازو میں نہ تو مرے گرہ باندھ — سمجھاؤں جو پند اُسے گرہ باندھ
سن کوئی ہزار کچھ سناوے — لیجے وہی جو سمجھ میں آوے
قابو ہو تو کیجیے نہ غفلت — عاجز ہو تو ہار لیجے نہ ہمت
آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے — جاتا ہو تو اُسکا غم نہ کیجے
طائر سے یہ سن کلام صیاد — بن دام ہوا غلام صیاد
بازو کے جو بند کھول ڈالے — طائر نے تڑپ کے پر نکالے
اک شاخ پہ جا چہک کے بولا — کیوں پر مرا کیا سمجھ کے کھولا
ہمت نے مری مجھے اُڑایا — غفلت نے تری تجھے چھوڑایا
دولت نہ نصیب میں تھی تیرے — تھا لعل نہاں شکم میں میرے

دے کر صیاد نے دلاسا
بولا وہ کہ دیکھ کر گیا جھل
ارباب غرض کی بات سن کر
فرخ یہ وہی مثل نہ ہووے
مشتاق تو تھا چلا وہ دستور
نقشے میں وہ گلشن نگارین
حیرت تھی کہ یہ طلسم کیا ہے
اس سوچ میں تھا کہ تنگ آیا
آداب اک کر کے حسب دستور
سمجھا کہ حسین آدمی ہے
پوچھا کہ کدھر سے آئے کیا نام
انسان ہوں بندۂ خدا ہوں
گستاخی معاف آپ آئے
بھگا کے بسائے مردم شہر
دعوے یہ ہو یاں زمیں دابی
خیر اب بھی یہ رفع شر جو چاہو
بولا کہ وہ فتنہ گر نہیں ہم
درویشی میں دل کے بادشاہیں
دستور کہ عرض کر چکا تھا
بولا چلو صلح درمیاں ہو
بولا وہ فقیر کی بلا جائے
بولا وہ کہ خیر تا بہ فردا
یہ کہہ کے پھرا وزیر آیا

چاہا پھر کچھ لگا سے لے لا ر
طائر بھی کہیں نکلتے ہیں لعل
کر لیجئے ایک بیک نہ بار
دیکھ آج جو تجھے دہل نہ ہو
دکھلائی دیا وہ نقشہ ...
گلزار ارم سے تھا خوش آ...
پردیس میں ہوں کہ گھر مرا
حیران وہ وزیر شہ تک ...
ٹھہرا تو وہ بادشاہ مستا
کیا جا سے کہ خود بگاڑ دی
بولا وہ کہ نام سے ہی کیا کا
بھیجا زین الملوک کا ہوا
بن گھیر لیا مکان بنا
حضرت کا بڑا ہے آپ پر ...
آبادی میں آ گئے ہے خرا...
سر آنکھوں سے چلے جہہ سا...
شہر جن سے بنے ہو وہ شہر نہیں
مسند کے تکیے یہ گدا ...
شش دل بد گماں کا تھا
باہم مہ و مہر کا قران
مشتاق جو ہو وہ شوق سے آ
اٹھ جائیگا درمیاں سے پردا
پہنچا تو وہ شہر خالی پا...

شہزادہ و شہ محل میں تھے واں
شہ نے جو وزیر آ کے دیکھا
سلطاں کے نثار ہو کے دستور
دیکھ آیا میں وہ مکان یاقوت
تختہ ہے زمرد یں کہ مینو
نقشہ کہوں کیا نگار خانہ
دیوؤں کی بنائی ہے وہ بنیاد
واں صاحب تاج و تخت جو ہے
دیو اس کے عمل میں آ گئے ہیں
کل آپ بھی چل کے کیجئے سیر

برہم زدہ بزم کے چراغاں
رخ فرخ فرخ پکار اٹھا
بولا کہ بلائے شاہ ہو دور
ہے معدن لعل و کان یاقوت
گلشن ہے جو اہرمن کہ جادو
جادو کا تمام کارخانہ
رہنے والے ہیں آدمی زاد
درویش ہے شاہ نام کو ہے
جادو سے محل بنا گئے ہیں
وعدہ کر آیا ہوں کہا خیر

بھید کھلنا چھپے ہوؤں کا ایک ایک پر

اب خامہ سے وا شگاف یوں ہے
فرخ جو گیا تو شاہزادہ
رکھا کس نقش پہ دوسرا پاؤں
دعوت کی اسے خبر سنائی
ہچھموں نے جیوں اس کی تاڑی
غولوں سے جو تھا بھرا بیاباں
صناعی انھوں نے رات بھر کی
بجتے ہی گجر وہ شاہ ذی جاہ
جو جو امرا تھے سب بلا کے
مشرق سے رواں ہوا دلاور
بجلی سے جو زرق برق آئے
دیکھا تو تمام دشت گلزار

دل ملنے کی راہ صاف یوں ہے
سوچا کہ ہوں ٹھاٹھ کل زیادہ
حاضر ہوئی دیونی قدِ بال
دیوؤں کے رخ اس نے آنکھ اٹھائی
پلکوں سے زمیں بن کی جھاڑی
پھولوں سے بنا دیا خیاباں
مشتاق نے واں وہ شب سحر کی
چاروں شہزادے لیکے ہمراہ
فرخ کو خواصی میں بٹھا کے
جس طرح افق سے شاہ خاور
فرش ابر کی طرح سنچے پائے
دائیں بائیں دو رستہ بازار

شہ کہتے تھے دشت پُرخسک تھا
غافل تھے کہ سبز باغ ہے یہ
تجویز رہے تکے سب ذرنگ
اتنے میں سنا کہ صاحب تاج
کیا لشکری اور کیا شہنشاہ
دیکھے جو جواہرات کے ڈھیر
شہزادے نے آمد اُنکی پائی
دونوں میں ہوئیں جو چار آنکھیں
ایواں جواہر میں آ گئے
وہ چتر کے زیر سایہ بیٹھے
جو جو کہ تواضعات ہیں عام
چکنی ڈلی عطر الائچی پان
رغبت سے انہیں کھلا پلا کے
اس تاج شہی میں کے نگیں ہیں
سلطاں نے کہا بصد لطافت
اک اور ہوا تھا قابل خشم
جب لائے یہ گل بکاؤلی کا
پوچھا اسنے وہ اب کدھر ہے
پوچھا شہزادہ نے کہ یا شاہ
اک انہیں سے چشم آشنا تھا
بولا کہ حضور اُدھر تو دیکھیں
صورت وہی رنگ روہی ہے
یہ سنتے ہی اُسنے خندہ کرکے

فرخ کہتا تھا کل تلک تھا   سر قدموں سے شاہ نے اُٹھایا
اپنے ہی جگر کا داغ ہے یہ   لے لے کے بلائیں کاکلوں کی
جادو افسوں طلسم نیرنگ   عرض اُسنے کیا کہ دو پرستار
جتنا بڑھے پیچھے سب ہو تاراج   حضرت نے کہا بُلا لیجے خیر
سنائے ہیں سنتے کہ انشاء اللہ   شہزادے نے اک مکان بتایا
سب من کی ہوس سے ہو گئیں پر   سب اُٹھ گئے پر وہ چاروں باغی
کی تا در خانہ پیشوائی   شہزادہ اُٹھا محل میں آیا
دولت کی کھلیں ہزار آنکھیں   دلبر سے کہا میں جب کہوں آؤ
الماس کی شہ نشیں میں آ کے   در پردہ سکھا کے باہر آیا
افسر سب پا بہ پایہ بیٹھے   دلبر نے کہا نجاؤں گی میں
لے آئے خواص نازک اندام   اُٹھ جائیں یہ چاروں سست بنیاد
نقل و مے و جام و خوان الوان   چاروں کا سنتے ہی اڑا رنگ
بولا شہزادہ مسکرا کے   دکھلائی دیے جو بیٹے بے رُخ
کے نام و نشاں دلنشیں ہیں   گریاں دلبر تھے داغ واں سُرمیں پر
یہ چار ہیں عنصر خلافت   وہ جبل وہ ہار وہ غلامی
وہ نور بصر تھا دشمن جیش   وہ دسترس اور وہ پابیری
نکلا تب خار دشمنی کا   وہ دیو کی بھوک اور وہ تقریر
سلطاں نے کہا کہ کیا خبر ہے   وہ سعی وہ دیونی کی صحبت
صورت سے ہو کوئی اسکی آگا   تجویز کی وہ سرنگ کی راہ
کوکا اسی شاہزادے کا تو   وہ سیر چمن وہ پھول لینا
دیکھا تو کہا مری نظر ہے   وہ کور سے حق میں خضر ہونا
لہو وہی گفتگو وہی ہے   وہ بال کو آگ کا دکھانا
سر پانوں پہ رکھدیا پدر کے   وہ نزہت گلشن نگاریں

فرزند کو چھاتی سے لگایا
پیشانی چومی پیٹھ ٹھونکی
پابوسی شہ کی ہیں طلبگار
اُٹھ جائیں جو بیٹھے ہوں یہاں غیر
اک ایک اُٹھا اُدھر کو آیا
بیٹھے رہے فرش گل پہ داغی
پردے تک اُنکو ساتھ لایا
تو کہیو یہ چاروں داغی اُٹھواؤ
سے بے پردہ حضور شہ بلایا
قربان گئی نہ آؤں گی میں
داغی ہوے ہیں غلام آزاد
یکبارگی شاہ ہو گیا دنگ
دیکھا تاج الملوک سے رخ
یاں نام پہ حرف واں نگیں پر -
وہ گھات وہ جیتنا تمامی
وہ بیکسی اور وہ دشت گردی -
وہ حلوے کی چاٹ اور وہ تحریر
تحقیر وہ کی وہ اذیت
اور ہوش و دوانیاں وہ تنخواہ
وہ عزم وطن وہ داغ دنیا
وہ غولوں سے مل کے پھول کھانا
وہ ہجر کے پہ وہ دیو کا آنا
وہ دعوت پا وشہ وہ کیں .

گزرا تھا جو کچھ بیاں کیا سب — پنہاں تھا جو کچھ عیاں کیا سب
انگشتری پری دکھا کر — کھلوائی سرین کی مہر محضر
پہلے تو بہت وہ منہ چڑھے ڈھیٹ — آخر داغی دکھا گئے پیٹ
اُٹھوا کے انھیں وہ دو خوش آئیں — پابوسی شہ کو سر سے آئیں
حضرت نے سمجھ کے حسن خدمت — دونوں کو دیے خطاب و خلعت
نذریں اُن دونوں نے دکھائیں — رخصت ہو کر محل میں آئیں
مسند سے شہ اُٹھ کے بے محابا — بولا بیٹے سے جان بابا
روشن کیا دیدۂ پدر کو — مادر کے بھی چل کے آنسو پونچھو
مشتاق کو رو براہ پایا — ہمراہ وہیں سے تا بخانہ لایا
ماں نے دیکھا جو وہ دلاور — اشکوں کے گہر کیے نچھاور
وہ طفل بھی گر پڑا قدم پر — مانند سرشک چشم مادر
ہر خویش و یگانہ سے ملا وہ — پھر اپنی جگہ پہ آ گیا وہ

غائب ہونا فرخ یعنی بکاؤلی کا اور بلوانا تاج الملوک کا گلشن نگارین سے اور مشتاق ہو کر گلزار ارم میں رہنا

کھلنے پہ جو ہے طلسم تقدیر — اب نامے سے یوں کیا ہے تحریر
فرخ وہ بادشہ کا دستور — لیتی وہ بکاؤلی مستور
مطلوب کا سن سمجھ کے سب حال — چاہا تھا کہ بکاؤلی سے کچھ کہہ دے بال
سوچی کہ دلا شتاب کیا ہے — گھبرا کے یہیں سے اضطراب کیا ہے
اُس شمع کا پاس کر گئی وہ — تغییر لباس کر گئی وہ
فرخ سے بنی تھی آدمی تھی — پھر وہ پری بکاؤلی پری تھی
غربت سے چلی وطن میں آئی — صحرا سے اُڑی چمن میں آئی
پژمردہ خواصوں میں پڑی جان — صدمے سے ہوئی کوئی کوئی قربان
اُس غنچے میں اک سمن پری تھی — وہ ہمنفس بکاؤلی تھی

دی کہو کیا کیا کہا خوب
مانگا کاغذ دوات خامہ
اے یوسف چشم زخم یعقوب
اے دلبر دلنواز و غلباز
اے آب تہ زمین نیرنگ
اے پردہ کشا سے بے حجابی
اے زہرہ رو رخ نہادہ
اے بے سر و برگ گلشن آرا
اے بے خبر طلسم صورت
اے باعث عزم سیر بانی
اے آئینہ دار خود نمائی
اے پردہ کشائے رشتہ پنہاں
دیا تیغ ارم سے لے گیا گل
بے رخ ترے واسطے ہوئی ہیں
تجھ کو ترے باپ سے رلایا
جو جو ابرار سے کئے نہانی
کیا لطافت جو عیب پردہ کھولے
کیا ہاتھ کا کردوں سر سے پامال
بے ستم کہ صورت اور دیکھی
کیا کیا ہیں وہ خارجی کے حق میں
آئے گا تو در گذر کروں گی
داغوں پہ جو رکھے ہیں داغ تو نے
نشاں ہیں اگر تو سمجھا

سب لے کے گئے پھر بھی آئی کیا خوب
لکھا گلچیں کے نام نامہ
اے رشک برادران منکوب
اے دیو سوار عرش پروانہ
اے نقب دواں باغ گلرنگ
اے دزد حنائے دستیابی
اے صرصر گل بباد دادہ
اے لعل نما سے سنگ خارا
اے بے بصر رخ ضرورت
اے صاحب بزم مہربانی
اے سرمہ چشم آشنائی
اے داغ نمائے پشت اخوان
تو جیسی پری کو دیکھا چل
فرخ ترے واسطے ہوئی ہیں
مجھ کو یہ ملا کہ تجھ کو پایا
سب تجھ سے سنی تری زبانی
جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے
کر شکر کہ تجھ کو خوش اقبال
وقت اور ضرورت اور دیکھی
جلد آ کہ سب اشتیاقی ہیں
ورنہ میں بہت سا شکر کروں گی
دکھلائے ہیں سبز باغ تو نے
تھوڑا لکھا بہت سمجھنا

پھر خط کی ہوئی امید واری
یہ لکھ کے کہا سمن پری کو
یہ خط یہ انگوٹھی لے ابھی جا
رستے میں ہے گلشن نگاریں
خاتم کے نشاں سے نامہ دیجو
خط خاتم لے کے وہ ہو لی
وہ باغ کہ تھا جواہر آگیں
وہ آدم جو روش پہ پیرو
گلگشت میں تھا کسی روش پر
قاصد نے جو رخ پری دکھایا
پہچانتے ہی نگین خاتم
پھر تو وہ یوں چلا تڑپ کے
دھوکا تھا فقط بکاؤلی کا
گو سحر خموشی نے کھلایا
قاصد سے کلام لطف بولا
وہ نامہ کہ عنبریں رقم تھا
تحریر تھی سرگذشت ساری
منگوا کے وہیں دوات و خامہ
اے شاہ ارم کی دخت گلفام
اس نام کے اس لقب کے صدقے
میں نے جو غرض سے جی چرایا
میری جو بدی ہوئی تھی کچھ یوں
تو چاہے تو کیوں نہ آئے افسوس

القط ہے قلم کی دوستداری
چالاک ہے تو ہی قاصدی کو
پورب کی سمت کو چلی جا
رہتا ہے وہیں مراد گلچیں
ٹھہری رہیو جواب لیجو
پتا ہوئی اور رستے پہ آئی
ثابت ہوا گلشن نگاریں
یعنی تاج الملوک خوشخو
محمود وہ دائیں بائیں دلبر
دھیان اس کو بکاؤلی کا آیا
بے شبہ ہوا یقیں کا عالم
انگارے پہ جیسے کباب لپکے
قاصد نے دیا وہ خط پری کا
تحریر کو آنکھوں سے لگایا
خط صورت چشم شوق کھولا
قسمت کا نوشتہ ایک قلم تھا
کچھ یاس تھی کچھ امیدواری
تحریر کیا جواب نامہ
فرخ لقب و بکاؤلی نام
اس نامے کے اس طلب کے صدقے
تو نے کیوں آ کے منہ چھپایا
تو نیک تھی بے ملے گئی کیوں
افسوس افسوس ہائے افسوس

تقدیر پھری پھری نہیں تو
اسے کاش میں کچھ بھی سانس پاتا
معلوم تو ہے کہ شوق کیا تھا
اب مجھ میں وہ دم اجی کہاں ہے
مر جاؤں اگر طلب میں تیری
قابل وہاں آنے کے کہاں ہوں
تجھ سے مری خاطر اب کہاں جمع
تو برق دماں میں خرمن خار
تو جوشش یم میں مور بے پر
دھڑکا ہے یہی اتو جان دونگا
ہو تجھ سی پری جو خصم جانی
منظور جو ہو حیات میری
حمالہ کو بھیج آ کے لیجائے
بھیجا نہ اُسے تو جان لینا
یہ لکھ کے جو خط سے ہاتھ اُٹھایا
مطلوب کا خط وہ پڑھ رہی تھی
پوچھا کہ اری تجھے خبر ہے
وہ صدمے ہوئی کہا بلا لوں
یہ سن کے وہ شعلہ ہو بھبوکا
تیرا ہی تو ہے فساد مردار
گل نقب کی راہ سے لے گیا چور
حمالہ جلی ہوں کیا کہوں میں
آگاہ جو دیو نی سے پائی

اُمید گئی گئی نہیں تو
جی کھول کے داغ دل دکھاتا
جو کھینچ کے یاں سے لیگیا تھا
وہ دل وہ جگر وہ جی کہاں ہے
میں کیا کہ خبر نہ پہونچے میری
یاں بھی جو رہا تو نیم جاں ہوں
تو بستر شعلہ میں رگ شمع
تو سیل رواں میں خستہ دیوار
میں نقش قدم تو باد صرصر
مر جاؤں گا اب میں جیوں گا
انسان کی ہے مرگ زندگانی
تو مان لے ایک بات میری
شاید مجھے زندہ پا کے پہونچائے
آسان ہے یہاں بھی جان دینا
قاصد نے لیا جواب لایا
دیکھا تو وہ دیونی کھڑی تھی
گلچیں مرا کو سنا نشتر ہے
بے دیکھے کسی کا نام کیا لوں
بولی کہ تجھے لگاؤں لوکا
داماد کو گل دیا مجھے خار
زندہ کروں اس موے کو در گور
داماد کو لا تو ٹھنڈی ہوں میں
بگڑی ہوئی بات یوں بنائی

محسو وہ ہے کنیز زادی
میرا تو نہیں قصور ہے کچھ
مجرم جو وہ ہے تو لو میں لائی
آئی تو یہ زار نیم جاں تھا
حالت کو دیکھتے ہی رو رو
بولی وہ ہے نے بگاڑ کیا ہے
کچھ بول سکے زیر لب وہ دل زار
لرزا سا چڑھا جو دیو لی پر
اس سمت سے پہونچی یہ عقیلہ
شکوہ کرنے لگی پری سے
گلزار کی سیر خوب بھائی
کس طرح نکلوں کی ہے تو شیدا
کھلتے ہیں کچھ انتظار کے طور
مادر کے کلام سن کے خستہ
میں کیا جانوں مجھے خبر کیا
تقدیر جو بھولے پن کی پائی
جب اُٹھ گئی یہ تو دیو لی وہ
آیا تو وہ منتظر تھی خونخوار
واں غصہ بھری غضب وہ شیطان
واں سرمہ چشم گرم شمشیر
واں پیا سے نتھے کو بلا وہ گیسو
بولی وہ پری بصد تامل
کیا کہتی ہوں ہاں ادھر تو دیکھو

انسان سے ہوئی ہے اسکی شادی
شاید اسکا فتور ہے کچھ
یہ کہہ کے اُٹھی چلی ہوائی
آپ اپنی قضا کا نوحہ خواں تھا
پوچھا کہ تو لینے آئی مجھ کو
چل دیکھ تو چھیڑ چھاڑ کیا ہے
ہیجان میں تپ کے جیسے بیمار
مانند حواس اُڑ گئی وہ مضطر
واں آئی پری کی ماں جمیلہ
یوں کہنے لگی بگاڑ ولی سے
بچوں سے نہیں تو گھر بھی آئی
گلچیں نہ ہوا ہو کوئی پیدا
رُخ میری طرف نظر کہیں اور
بولی کہ چمن تو ہے مرا گھر
رُخ کس کو کئے ہیں نظر کیا
وہ سادہ دل اُٹھ کے گھر کو آئی
حاضر ہوئی لے کے آہ ہی وہ
اندیشے سے کانپ اُٹھا گنہگار
پلکوں سے یہاں نظر یہ چتون
یاں قطرۂ اشک تر گلوگیر
یاں تاب سخن نہیں ہے سو
کیوں جی مجھیں لگے تھے وہ گل
میری طرف اک نظر تو دیکھو

محبوس کیا ہے تجھ کو ہر چند / توبہ کا تو در نہیں کیا بند
بھولے سے بھی کر نہ یاد آدم / پھر گھر وہی تو وہی وہی ہم
اے شمع نہ سوچ گر بد و نیک / رشتہ کاٹیگا تجھ سے ہر ایک
سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار / اب مان نہ مان تو ہے مختار
تو قید جفا میں ہے کہ ہم ہیں / تو دام بلا میں ہے کہ ہم ہیں
غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجیے / دکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجیے
جھنجھلائی بکاؤلی کہ بس بس / اب ایک کہوگی تم تو میں دس
رنجور جو ہوں تو میں تمھیں کیا / مجبور جو ہوں تو میں تمھیں کیا
مانا مری حالت اب ردی ہے / بہتر ہے وہی جو کچھ بدی ہے
بلبل اسی رشک گل کی ہوں میں / تم کیا ہو ہزار میں کہوں میں
سوجھی وہ کہ یہ نہیں سمجھتی / ہے بلکہ برنگ زلف الجھتی
مجنوں ہو اگر تو فصد لیجیے / سایہ ہو تو دوڑ دھوپ کیجیے
کچھ روگ جو در پئے خلش ہو / درماں کے لیے دوا دہش ہو
بیماری عشق لا دوا ہے / اس باغ کی اور ہی ہوا ہے
آخر یہ تو جی سے اپنے ہے تنگ / ایسا نہ ہو لاوے اور کچھ رنگ
یاد آئیں جو ابروان خمدار / رہتے نہ کہیں گلے پہ تلوار
وہ سبزۂ خط جو یاد آئے / جھنجھلا کے کہیں نہ زہر کھائے
کر یاد کہیں چہ ذقن کو / کودے نہ کنویں میں باؤلی ہو
دیوانے کی مطلق العنانی / ہے باعث مرگ ناگہانی
تدبیر کا حوصلہ نکالا / زنجیر کا سلسلہ نکالا
بیڑی تھی گرہ جنوں کی کاکل / پابستہ سی گل کو آیا سنبل
جب وحشت عشق ہو زیادہ / زنجیر سے ہے پیش پا فتادہ
شوریدہ بکاؤلی غضب تھی / زنجیروں میں بھی وہ بند کب تھی

پڑھتی جب دل کی بیقراری ... پڑھتی یہ غزل بہ آہ و زاری

غزل

عالم کا ترے جہاں بیاں ہے ... بیتابیٔ دل جہاں جہاں ہے
زنجیرِ جنوں کڑی نہ پڑی تو ... دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے
ذرے کا کبھی چمکے گا ستارہ ... قائم جو زمین و آسماں ہے
جو داغ کہ مہر ہے فلک پر ... دلمیں مرے اب تلک نہاں ہے
کیں سوزِ عشق میں ہو نسیم لو لو ... آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے

آنا تاج الملوک کا صحرائے طلسم سے روح افزا پری کے ساتھ فردوس میں

بہرِ گہرِ طلسم اخلاص ... ہے بحرِ سخن میں خامہ غواص
وہ قطرۂ بارشِ جدائی ... وہ غنچۂ بحرِ آشنائی
وہ بادشہ حباب افسر ... یعنی تاج الملوک مضطر
بے بہری چرخ سے جو ناگاہ ... گرداب کے ہالے کا ہوا ماہ
جو ماہ سپہر برتری تھا ... سو ماہی بحر ابتری تھا
با دلِ سادہ بحر آسماں جوش ... بجلی سا لہر سے تھا ہم آغوش
دریا تھا نہ بحر تھا نہ جیحوں ... طوفانِ طلسم جوش افسوں
گرتے تو وہ پانی سر سے گذرا ... ابھرا تو نہ کچھ نظر سے گذرا
موجوں کے عوض تھی جیب داماں ... گرداب کے بدلے تھا گریباں
آگے جو بڑھا جزیرہ دیکھا ... اشجار و نخل کا ذخیرہ دیکھا
جس پھل کو چھوا جو پھر کیا غور ... ہاتھ آیا نہ کچھ حباب کے طور
جانا کہ طلسم کا ہے جنگل ... ہے یاں کے درخت کا یہی پھل
اور آگے بڑھا وہ بحرِ اوہام ... ڈوبا خورشید ہو گئی شام
ڈر جانوروں کا جی میں بیٹھا ... اک نخلِ کہن پہ چڑھ کے بیٹھا
ناگاہ سنی صدائے پر خوف ... آیا اک اژدہا پئے طوف
صورت میں پہاڑ کی نشانی ... سیرت میں بلائے ناگہانی

منھ کھول کے سانپ اک کالا
لہرا لہرا کے اوس چاٹی
جب صبح ہوئی تو منھ میں ڈالا
وہ جا کے افق میں سہرا چمکا
سوچا وہ کہ لیجئے من کسی طور
بجھ گا ئیں کلیاں کر رہی تھیں
دودھ اُسکا دوہا سپیا کہا لو
نکلا جو پکڑ آکے شب کو اژدر
گوبر پھینکا تو دب گیا من
بے نور روشنی اندھے ہو گئے وہ
من لے کے جو اُسنے پھیرہ مارا
دو مرغ تھے بیٹھے اک شجر پر
میں تجربہ کر چکی جہاں کا
بادو سے یہ سُن کے بول اٹھا نر
وہ پیڑ جو حوض پر لگا ہے
اک سانپ ہے واں یہ چوٹ کرتا
لیکن جو یہ بندہ خدا جائے
لیکے گا خود اُسکو دیکھ کر سانپ
اُبھرے گا لگا کے جب یہ غوطا
اندیشہ نہ اپنے دل میں لائے
سب خشک ہے ایک ہے ہری ڈال
پہلے تو یہ لال پھل کو کھائے
پھر توڑ کے اُسکے سبز پھل کو

اُس کالے نے من زمیں پہ ڈالا
جن میں کالوں نے رات کاٹی
کالے نے من اژدہے نے کالا
من انکی شب کے منھ سے نکلا
دشمن کا تھا سامنا کیا غور
بن میں ہری دوب چر رہی تھیں
گوبر کے انھیں کے چھوت پھینکو
گلخن سے دھواں دھوئیں سے اخگر
بادل میں چھپا وہ ماہ روشن
من ڈھونڈتے آپ کھو گئے وہ
شب کاٹ کے صبح دم سدھارا
بادو لگی پوچھنے کہ ادر نر
کھلتا نہیں کچھ طلسم یاں کا
ہے طرفہ طلسم اس جگہ پر
طرلی سے خواہیں میں سوا ہے
مارے سے نہیں کسی کے مرتا
تا حوض قدم قدم چلا جائے
منھ چادر آب میں یہ سکے ڈھانپ
بن جائے گا آدمی سے طوطا
اُڑ کر یہ اُسی شجر پہ جائے
دو رنگ کے پھل ہیں سبز اور لال
انسان کا رنگ روپ پائے
پھل پھر اُسے دے رہیگا کل کو

جس شخص کے پاس وہ ثمر ہو
لکڑی میں اثر یہ ہے کہ دشمن
دو ہاتھوں میں لے جو کاندھو پرسے
ٹوپی جو بنائے چھیل کر چھال
پتے کی صفت بیان کیا ہو
منھ میں رہے گوند اسکا جبتک
تھا طہم عجیب مرغ گویا
کانے نے جہاں سے کی سیاہی
طوطا بنکر شجر پہ آکر
پتے پھل گوند چھال لکڑی
ہاتھ آگئی عصا کی تاثیر
اڑتا ہوا واں سے دور جاکر
من ران کو چیر کر چھپایا
اک حوض پہ آب و تاب دیکھا
غوطہ جو لگا کے سر اٹھایا
دکھلائی بڑے دنوں کے تفاوت
حوض اسکی ہوئی یہ دیکھتے ہی
سختی سے دکھاتا تھا مقدر
نامردی سے اپنے نعرہ زن ہو
آگے سے جوان ایک خوش قد
باہم زن و مرد نے کیا میل
بارے جو پڑی گھر اسکے بے قید
جب جن کے نہانے کا دن آیا

ہتھیار نہ اُس پہ کارگر ہو
بنجاتا ہے موم اگر ہو آہن
اُڑتا پھرے جیسے مرغ پر سے
دکھلائی نہ دے نظر کی تمثال
دم بھر میں بھر کے جراحتوں کو
لگتی نہیں بھوک پیاس تب تک
سنتے ہی اُدھر چلا وہ جویا
وہ حوض میں تھا مثال ماہی
پھل کھا کے بشر کا روپ پا کر
اُس پیڑ سے لے کے راہ پکڑی
پرّاں ہوا صورت ہما پھر
ٹھہرا دم لینے اک جگہ پر
پیتے ہی وہ زخم سب بھر آیا
سرچشمۂ آفتاب دیکھا
وہ حوض وہ آب کچھ نہ پایا
مردی کی رہی نہ کچھ علامت
فوّارہ تو کم خزانہ باقی

چھاتی پہ دھرا کچوں سے پتھر
بیچاری چلی کسی طرف کو
آتا تھا دنوں کی جیسی آمد
دریا سے ملا وہ قطرہ زن سیل
اُمید سے رہ گئی وہ نومید
غوطہ کسی حوض میں لگایا
اُبھری تو نہ حوض تھا نہ وہ روپ
مردی سے نئے جو پھر وجود پایا
ترکش پہ نگاہ کی تو تھا تیر

گو شمع بنا چراغ دامن
تھا مردم دیدۂ طلسمات
اک دیو کی مردہ دل سی مبہوت
زنبور سیاہ خال اُس کے
گٹھا لیے سر پہ لکڑیوں کا
شہزادہ کہ تھا کریہہ منظر
گٹھا وہ دیا کہ بیچ لا جا
حیرت زدہ شاہزادہ لاچار
جب بڑھ کے ہوا نظر سے اوجھل
واں سے جو بڑھا تو ایک چشمہ
غوطہ جو لگا کے سر ابھارا
کھویا ہوا مال ہاتھ آیا
خورشید مرا گہن سے چھوٹا
یارب یہی اب میں چاہتا ہوں
ناداں ہو جو آبرو کو کھوئے
یہ کہکر کاندھے رکھ کے لاٹھی
کھانے کو شجر کا گوند تھا پاس
دیکھا ناگاہ کوہ البرز
ٹوپی وہ جو سر پہ چھال کی تھی
اُس دیو کے آگے سے بڑھا وہ
پانی کے عوض تھی دشت کی دھوپ
پستانوں کو بے نمو پایا
قبضے میں پھر آئی کھوئی شمشیر

روشن نہوا وہ رنگ و روغن
حال رخ و رنگ رو مساوات
پستاں سے قد اسکا نخل تابوت
برگد کی جٹائیں بال اُس کے
چلتی تھی سموم کا سا جھونکا
وہ روسیہ اُسکو سمجھی شوہر
کیجیو نہیں دیر جلد آ جا
راہی ہوا سر پہ رکھ کے انبار
ہلکا ہوا پھینک پھانک بوجھل
پُر آب تھا چشم منتظر سا
پایا وہی رنگ روپ سارا
بولا وہ کہ شکر ہے خدایا
زنگ آئینہ بدن سے چھوٹا
یہ چشمہ پھر آنکھ سے نہ دیکھوں
اُس پانی سے منہ اور ہاتھ دھوئے
گھوڑوں پہ ہوا کے باندھی کاٹھی
کیا دخل کہ بھوک لگتی یا پیاس
اک دیو سیاہ تھا لیے گرز
عُریانی میں پردہ حال کی تھی
سایہ سا پہاڑ پر چڑھا وہ

گریاں لب حوض اک پری تھی
پُرجوش و خروش اُسنے جو پایا
دیکھا جو پری نے آدمی زاد
رستہ ترا کھو گیا کہاں سے
بولا وہ بشر کہ دیو کیسا
بولی وہ پری کہ جا کہا مان
بولا وہ کہ بیقراری کیا ہے
کیوں روتی ہو کس کی یاد میں ہو
بولی وہ حسین کہ میں پری ہوں
فردوس کا بادشہ مظفر
سردار گروہ دیولوں کا ہے
اک دن میں چلی چچا کے گھر کو
رستے سے یہ دیو پھانس لایا
نام اُس سے بکاؤلی کا سنکر
پوچھا اُسنے کہ آدمی زاد
واں خرمن عیش پر پڑی برق
ڈال پھانسی جیسی سے اشک غم کی
بولی وہ کہ چھوٹے اگر ہم
بولا وہ کہ چل کہا کہ ناداں
دیوؤں سے بھی لڑ سکا ہے کوئی
بولا وہ کہ جی بچھا نہ جانی
ہر چند کہ انس و جاں میں ہے لاگ
بولی وہ کہ سن تو آدمی زاد

فوّارے کی طرح رو رہی تھی
رو پوش سے نے تاج سر اُٹھایا
آہستہ کہا کہ خانہ برباد
کھا جائیگا دیو بھاگ یاں سے
ہمسکو تو ملا نہ کوئی ایسا
سر پر ہیں ترے قضا کے ساماں
تم اپنی کہو ہماری کیا ہے
کیا رنج ہے کس فساد میں ہو
اس دیو کے بس میں آ گئی ہوں
روح افزا جسکی ہوں میں دختر
سلطان ارم مرا چچا ہے
ماندی تھی بکاؤلی کی خبر کو
اب تک تو خدا نے ہے بچایا
رونے جو لگا وہ سر کو دھنکر
تو کیوں رویا کہا کہ فریاد
یاں بحر فسوں میں ہیں ہوا غرق
یاں سانس نہیں ہوا کسی دم کی
رکھتے ترے زخم دل پہ مرہم
وہ دیو کہاں کہاں تو انساں
سانپ کو پکڑ سکا ہے کوئی
دیو آگ تو آدمی ہے پانی
دب جاتی ہے مشت خاک سے آگ
وہ دیو ہے تیری کیا ہے بنیاد

تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی — لاٹھی سے جدا نہ ہوگا پانی
بولا وہ کہ یہ جو لٹھ مرا ہے — موسیٰ کا عصا ہے اژدہا ہے
یہ کہہ کے جتا دئے جوہر اپنے — سامان دکھا دئے یکسر اپنے
ٹوپی جو اتار لی تھی سر سے — پھر رکھ کے نہاں ہوا نظر سے
لٹھ کاندھے پہ رکھ ہوا یہ جا کر — ظاہر ہوا ٹوپی کو اٹھا کر
یہ شعبدہ دیکھ کر پری نے — اڑ چلنے کے پائے کچھ قرینے
تسکیں جو ہوئی پری کے جی کو — وہ آدمی لے اڑا پری کو
وہ دیو پری کو اڑتے پا کر — اچکا تو بلا ہوا یہ جا کر
شہزادے نے اپنے سر کی ٹوپی — جلدی سے پری کے سر پہ رکھ دی
بدلی میں چھپی وہ ماہ روشن — بجلی سا عیاں ہوا یہ پرفن
وہ دیو کہ تھا پری پہ لپکا — حیرت زدہ آدمی پہ لپکا
شہزادہ کہ لٹھ سے برق دم تھا — بادل سا ہوا کا ہمقدم تھا
دیکھا جو شہ دیو نے گزارا — پتھر اک اٹھا کے پھینک مارا
وہ سنگ گراں حسب بہ غول — تاثیر سے پھول کی بن گیا پھول
لٹھ اس کا پڑا تو وہ ہوا چور — جس طرح عصا سے جام بلور
غل کر کے زمیں پہ گرا دیو — موجود ہوئے ہزار ہا دیو
بادل کی طرح جو اٹھے دشمن — لاٹھی سے ہوا وہ برق خرمن
موسیٰ کا عصا تھا لٹھ جو اس کا — ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانکا
سر کر گیا کوہ بیکروں کا — جی چھوٹ گیا دلاوروں کا
ٹوپی کو اتار کر پری نے — چومے قدم بشر پری نے
شہزادے نے تاج سر پہ رکھا — لٹھ کاندھے پہ دل سفر پہ رکھا
فردوس میں جا کے صورت حور — ماں باپ سے آ ملی وہ مہجور
دیووں کی وہ سرکشی سنائی — انساں کی وہ مردمی جتائی

سُن سنکے اُڑے حواس اُنکے — لائے نہ یقین قیاس اُنکے
پوچھا کہ وہ ہے کہا کہ ہاں ہے — پوچھا کہ کہاں کہا یہاں ہے
یہ سنتے ہی اُسنے تاج اُٹھایا — خیر اتوں کو شعبدہ دکھایا
بال اُسکے وبال سے بڑھے تھے — ناخن بھی ہلال سے بڑھے تھے
تن خاکی تھا جان آتشیں تھی — عریانی قبائے پوستیں تھی
صورت سے فقیر تھا بروگی — کی آؤ بھگت سمجھ سکے جوگی
حسن آرا اُس پری کی مادر — باپ اُسکا بادشہ مظفر
قدموں پر گرے کہا ادب سے — حُرمت رہی آپ کے سبب سے
بولا وہ خدا خدا کرو واہ — ہے جملہ جہان کا مالک اللہ
قادر وہی کبریا وہی ہے — آخر وہی ابتدا وہی ہے
بولے وہ کہ حق ہے جو ہے فرمان — تم وقت کے اپنے ہو سلیمان
کچھ تو کرم آؤ لطف فرماؤ — شربت پیو میوہ ہائے تر کھاؤ
بولا وہ کہ اشتہا کسے ہے — کھانے کا مزا رہا کسے ہے
سیاح کو کیا قیام سے کار — شبنم نہیں جاگزین گلزار
درویش رواں رہے تو بہتر — آب دریا ہے تو بہتر
روح افزا بول اُٹھی اجی واہ — ہم جانے نہ دینگے تم کو واللہ
آرام کچھ کرم کرو آؤ — ہم رام ہوے نہ رم کرو آؤ
مجمع سے الگ مکان میں لائی — آرام کی جا قرار پائی
اصحاب نیاز کھانے لائے — ارباب نشاط گانے آئے
تھا اپنے سوچ میں وہ سنسان — دُھن راگ کی تھی نہ رنگ کا دھیان
بے وقت وہ راگ خوش نہ آیا — بے فصل وہ پھاگ خوش نہ آیا

آنا بکاؤلی کا روح افزا کی خبر کو جمیلہ کیسا تھ اور تاج الملوک سے ملکر جانا سات دن بعد بچھڑوں کے جو ملنے کا بیان ہے

یوں خامہ خوشی سے تر زبان ہے

روح افزا کو جو کھو کے پایا مژدہ شاہِ ارم تک آیا
جانا تھا بکاؤلی ہیں لازم ملنے کو ہوئی جمیلہ عازم
وہ ساکنِ خانۂ سلاسل یعنے وہ بکاؤلی بیدل
کہتی تھی کہ پیچ سے نکلتی خواہاں یہ ہوئی کہ میں بھی چلتی
سُن کے قیدی کے زار نالے زنجیر کے پیچ سے نکالے
تخت اُنکی سواریوں کے آئے اُڑ لئے وہ ہوا کے جھونکے آئے
بانوے ارم شہر جمیلہ دخت اسکی بکاؤلی عقیلہ
روح افزا سے ہو بغلگیر صورت پوچھی کہا کہ تقدیر
کہہ سُن کے مبارک و سلامت بیٹھ اُٹھ کے ہوئی جمیلہ رخصت
روح افزا نے کہا بجی جان تم جاؤ رہیں بکاؤلی جان
خاطر سے کہا کہ خیر لیکن لیجاؤنگی خود میں ساتویں دن
یہ کہہ کے وہ وحشت مجسم آہوسی ارم کو کر گئی رم
روح افزا نے کہا بہن سے بہتر نہیں کوئی جا چمن سے
گلگشت کریں چلو کہا خیر کیا جانے کہ ہوگی سیر میں سیر
چل پھر کے ہنسی ہنسی میں پوچھا کھونا ملنا بہن یہ کیا تھا
روح افزا نے کہا کہ ہمشیر میں نے یہ سُنا کہ تو ہے دلگیر
واللہ کہ چھان کر خدائی تیرے پیارے کو ڈھونڈھ لائی
سمجھی وہ ہنسی کہا سڑن ہو نادان ہو کیا کہوں بہن ہو
ہمکو یہ ہنسی نہیں گوارا پیارا ہووے گا وہ تمھارا
پیارا جو نہ تھا تو کھو گئیں کیوں بدراہ بھی آپ ہو گئیں کیوں
بولی وہ کہ ہے آشنا تمھارا پیارا نہیں پیاری کا ہے پیارا
گر اسکی تلاش میں میں کھوئی بدراہ نہ کہہ سکیگا کوئی
جو چاہو کہو جواب کیا دوں قائل نہیں ہوتی ہو دکھا دوں

وہ جوگی وہ دھونی اور وہ آسن — دکھلایا تو تھی اُسی کی جوگن
دیکھا تو دکھا رہی ہے تقدیر — کوشش کا اثر کشش کی تاثیر
روح افزا سے کنج میں وہاں — قالب تھی میان جان و جاناں
دونوں کا بدل تھا وصل منظور — مانند حباب ہو گئی دور
وہ غرفۂ حجرۂ ظلم و بیداد — دریا رو یا سنا کے افتاد
خاطر میں کہ دور تھیں عیاں کیں — چشموں کی وہ صورتیں سہانی کیں
رو رو کے پکاری دل افگار — بولی کہ خدا کو علم ہے یار
پھرتا تھا تو چشم و دل میں میرے — دیدے ہیں ہرے نقش پا کے تیرے
مشکل سے مجھے اپنا تھا منا تھا — ہر وقت قضا کا سامنا تھا
تا چشم پھرے مجھے نہ مژگاں — ہمسایہ تھے سب کشیدہ داماں
گھر میں رہنا گراں تھا میرا — زنجیر کا گھر مکاں تھا میرا
جو کہہ کے سرِ لب پکارتا تھا — پتھر سا کھینچ مارتا تھا
سختی سے دی پا کڑی اٹھا لی — افتاد تھی جو پڑی اٹھائی
طالع سے کھلی ایسی امید — نکلا ہے کدھر سے آج خورشید
کیونکر نہ منہ پہ شفق خوشی سے پھولی — کیا شام وصال راہ بھولی
یہ کہہ کے ملے بھی وہ ایسے — مشاطۂ خط تو ان کے جیسے
اک جان دو تن تھے سرو بالا — نسبت کا مزا ہوا دوبالا
دربان سی تھی دریچہ روح افزا — تھا پیش نظر حیا کا پردا
جب سے چڑھ سن نکال کے وہ — وارد ہوئی دیکھ بھال کے وہ
بول اٹھی پکار کے کہ واری — محرم کا ہے کام پردہ داری
وہ بولی مجھے تو بیچ ستایا — سمجھے اگر اب تو نے سکھایا
کیا باتیں ابھی بڑا ہے کیا کیا — اس گھر میں سیکھنا ہے کیا کیا
بارے وہ مہر دو ہفتہ باہم — باہم ہنستے رہی انیس و ہمدم

سمجھے ہفتے کی مہمانی
ہر ہفتہ عروس شادمانی

وعدے پہ جمیلہ ساتویں دن
آئی تو تھا حیلہ غیر ممکن

ساتھ اسکے رواں ہوئی وہ گلرو
ہوش آ سکے ہوا ہوئے تو

چاہا کہ وہ تاج رکھکے سر پر
رہ گئے بیہوش سا کہیں چلکر

دامن کو پکڑکے روح افزا
بولی کہ کدھر گیا ارادہ

الفت کے بہت نہ جوش میں آؤ
کچھ خیر ہے تمکو ہوش میں آؤ

نا فہمی سے خوار ہو چکے ہو
اب تو سیکھو کہ کھو چکے ہو

کار شائستہ خود نہ سمجھے
انگارے کو ہاتھ میں نہ لیجے

جلدی تمھیں کیا ضرور دم لو
بیدل نہ ہو قول اور قسم لو

گھبراؤ نہ پاسکے نامرادی
سمجھا کرو جو چاہتے ہو شادی

سوچا تو نہ تھا صلاح اچھا
دانائی تھی بات کا سمجھنا

پیغام بھیجنا حسن آرا کا بکاؤلی کی شادی کے واسطے

بیدل نے جگہ جو جی میں پائی
بولی خاصے کی زباں کشائی

وہ شکر گزار روح افزا
ماں سے بولی کہ حسن آرا

واجب ہے ادائے حق مہماں
احساں کا عوض نہیں جز احساں

حسن آرا نے کہا کہ ہمشیر
جو اپنے سے ہوں نہیں ہیں حاضر

بولی وہ کہ یہ فقیر جوگی
ہے عشق بکاؤلی کا روگی

ہیں ایسے سب چھپی ہوں جی سے
پوچھے سب بیٹے پری سے

راز اُن کا کیا جو آشکارا
راضی ہوئی سنکے حسن آرا

بلوا کے مصور اک کہن سال
کھنچوائی اُس آدمی کی تمثال

وہ صورت حال ارم میں لائی
خلوت میں جمیلہ پاس آئی

چھیڑا کہ ہمدم سے عقد پر دیں
پوچھا نہ نہال گل ہے کسکا

واجب نہیں اب تامل انھیں
بہر لے وہ ہاں تک پہنچے جیسیں

بولی وہ جمیلہ کیا بتاؤں
سودا ہے مری بکاؤلی کو
مشہور ہے ضد انس و جانی
حسن آرا نے کہا جمیلہ
کاوش تری بے ثبات ہے یہ
وہ دل جو ہوں چاہنے پہ راضی
بولی وہ جمیلہ ہوش میں آؤ
تجویز کی آپ کے میں قرباں
حسن آرا نے کہا کہ خاموش
اسباب نہ جمع کر ضرر کے
بولی وہ جمیلہ پھر کروں کیا
جب دل ہی پری کا آ گیا ہے
انسان ہی تھے حضرت سلیماں
یہ قطرۂ بحر کبریائی
کیا شکوہ اگر پری نہ سمجھے
دم دھاگے ہیں رشتۂ نفس کے

بیاہ ہونا بکاؤلی کا تاج الملوک کے ساتھ اور رہنا ارم میں

شادی کے لیے ہو کلک شنجرف
حسن آرا تھی جو نیک تدبیر
پہچان سکے خال و خط سے انداز
بولی کہو کیوں کہا کہ مانا
وہ بولی کہ اس سے تجھ کو کیا ہے کہا
ٹھہری یہ غرض کہ آج کی رات

تو اپنی ہو تجھ سے کیا چھپاؤں
ہو چاہ بشر کی بکاؤلی
یک جا نہیں رہتے آگ پانی
مجھ کو یہ نہیں پسند جیا
سو بات کی ایک بات ہے یہ
یہ جان لے کیا کریگا قاضی
جاکر کسی اور کو یہ سمجھا
لیجاوے مری پری کو انساں
شعلہ کو کیا ہے گھنے خس پوش
رکھ پنبہ نہ داغ پر شرر کے
وہ بولی نہ سمجھی کہتی ہوں کیا
انسان ہے تو کیا مضائقہ ہے
انسان ہی تھے مسیح دوراں
دریا ہے جو ہووے آشنائی
افسوس جو آدمی نہ سمجھے
پھندے میں پھنسا ہے پیش و پس کے
انگشت قبول و دیدۂ حیرت
دکھلائی جمیلہ کو وہ تصویر
وہ چپ جو رہی تو یہ سخن ساز
پر کھولے ہوئے کا کیا ٹھکانا
سمجھے تو سمجھ کے کیا کہا ہے
فیروز شہ آگے چھیڑیئے بات

جب سونے کو وہ محل میں آیا
یاد اُسنے کیا بکاؤلی کو
تصویر بشر دکھائی اُسنے
دیکھا تو نہ فرق تھا سرمو
نقشے سے وہی نگار پایا
کہنے لگی دل میں یا الٰہی
پیارے سے نہو خلاف وعدہ
دیکھا تو وہ بھیدی حسن آرا
روح افزا کا جو آ گیا دھیان
جانا کہ بہار فصل سے ہے
اقرار میں تھی جو بے حیائی
حسن آرا نے کہا مبارک
سج دھج یہ بنی ادھر بناؤ
ستارہ شناس کو بلایا
شادی کی خبر سے خوش آئی
راتوں کو جو گنتی تھی ستارے
واں منہدی نے چومے پائے خورشید
وہ واں پہ گلاب سے نہائی
واں غازے سے رخ شفق میں خورشید
افشاں ہوئی واں ستارہ افشاں
واں مانگ سے رنگ کہکشاں ماند
واں زلف نے کھائے پیچ پر پیچ
آنچل ہوئے واں نقاب عارض

افسانۂ عشق اُسے سُنایا
لے آئی اُڑا کے اُس پری کو
شادی کی خبر سُنائی اُس نے
چاہیئے خط و خال و چشم و ابرو
قسمت کا لکھا سا آگے آیا
شر ہو نہ کہیں یہ خیر خواہی
کیا سوچتے ہوں نصیب اعدا
کرتی تھی اُسی کی رُخ نظارہ
تسکین ہوئی آئی جان میں جاں
یہ نقل مطابق اصل سے ہے
شرمائی لجائی مُسکرائی
ایجاب اُس نے کیا مبارک
بن ٹھن کے بنا اُدھر سے آئے
ساعت ٹھہرائی دن دکھایا
مشتاق کو خوشخبر سنائی
دن گننے لگی خوشی سے بارے
یاں سبز ہوا نہال اُمید
یاں تازگی آبرو نے پائی
یاں جم گیا منہ پہ رنگ امید
یاں جبہہ سے روشنی دو چنداں
یاں تمام سر سے ہالے میں چاند
طرۂ کلغی پہ یاں تھا سرپیچ
سہرا ہوا یاں خضاب عارض

زیبا ہوا واں بدن پہ گہنا
محرم کے کسے گئے اُدھر بند
واں گل سے بہار بوستاں تھی
الماس کے واں تھے جھاڑ فانوس
مہتاب سے چاندنی کا واں فرش
واں جلوے حنائی انگلیوں کے
بادل سے وہ واں گرج رہے تھے
واں پریوں میں ذکر آدمی زاد
گلگوں تھا کسی کا بادرفتار
ہاتھی تھے تو مستیوں کی دھت تھی
وہ ماہ کہ تھا سوار شبدیز
ورنگ جو برات ادھر سے آئی
فیروز مظفر ایسے دو شاہ
باران گلاب و بارش گل
سلطان فیروز رشک جم تھا
ہر پالے بنّے کا شور و غل تھا
گل سے خوانوں میں زردہ لایا
خورشید سا آفتابہ لائے
قلیاں پیے مشکبو دُھواں دھار
جب عقد کی اُس کے ساعت آئی
یکجا کیے دو عروس و داماد
حیرت نے آئینہ دکھایا
زلفیں ہوئیں چہرے کی بلائیں

یاں جامہ وفا کا اس نے پہنا
ہمت کا بندھا اِدھر کمربند
آرائش تخت گل یہاں تھی
یاں جلوہ فروش تخت طاؤس
یاں چرخی سے چرخ میں سر عرش
یاں روشنی کے تھے تجشالے
یاں دھوم سے باجے بج رہے تھے
نوشہ کے جلو میں یاں پری زاد
گلرنگ کسی کا تھا ہوا دار
گھوڑے تھے تو واہی کی لت تھی
تھا پا برکاب شوق مہمیز
کی سب نے ادھر سے پیشوائی
پُر نور تھے جیسے مہر اور ماہ
ہو کر بڑے آ گئے بہ تجمل
نوشہ مسند پہ جم کے بیٹھا
سنبل کا جو شور تو تیر گل تھا
اُن غنچہ دہانوں کو کھلایا
منہ ہاتھ ہر ایک کے دُھلائے
بیڑے تھے چکھے پان کے ہزار
دو رشتوں میں اک گرہ لگا دی
وہ جان پری یہ آدمی زاد
شربت دیدار سے پلایا
پڑتا وہ نگاہیں سحر آگیں

جو چہرۂ آتشیں پہ تل تھا
اسپند نگاہ بد بدل تھا

جو ڑی جو ملی بنے بنی کی
سنگت ہوئی راگ راگنی کی

جو گائنیں تھیں شہانے گاتیں
لیتے ہوئے نیگ راگ لاتیں

حق پا کے جو رکھتی تھیں قدامت
بول اٹھیں مبارک و سلامت

پیارا تھا بنے بنی کا جوڑا
خلوت میں دولھا دلھن کو چھوڑا

پریاں کہ ہزار با بھری تھیں
ارمان سے سب وہاں سے نکلیں،

بے پردگی ہوئی تھی جو انہیں
دروازوں نے بند کرلیں آنکھیں

طومار حجاب کو کیا سطے
ساغر پہ جھکا وہ شیشۂ مے

مستانہ ملا دولھن سے نوشاہ
صحبت ہوئی دخت رز سے دلخواہ

مست آنکھیں تھیں رشک جام سرشار
لبریز ہوئی شراب دیدار

گردن تھی صراحی مۓ ناب
ہاتھ آئی وہ بہر مستی خواب

جب اوڑھی عروس مہ نے چادر
نکلا پردے سے شاہ خاور

ثابت وہ جو شب کو تھے ستارے
خورشید نکلتے ہی سدھارے

یعنی دولھا دولھن سحرگاہ
نکلے آرامگہ سے دلخواہ

منھ گھر کو براتیوں نے موڑا
محظوظ دولھا دلھن کو چھوڑا

وہ جوش گلاب میں نہایا
یاں رخ پہ عرق گلاب پایا

واں جوڑا جیسے تنگ بدلا
یاں جوڑے کے منھ کا رنگ بدلا

وہ راگ کا دیکھنے لگا رنگ
یاں پردے میں چھڑ گئی خوش آہنگ

رخصت ہونا تاج الملوک کا بکاؤلی کو لیکر اور آنا گلشن نگارین میں

غربت سے جو اب سر وطن ہے
گلگشت دو زباں پہ حرف زن ہے

شادی ہو کر وہ خانہ آباد
سوچا کہ بنا میں خانہ داماد

غربت میں وطن کی دھن سمائی
اس فیل کو یاد ہند آئی

خلوت میں ہوا پری سے گویا
دنیا میں ہیں سب وطن کے جویا

پانی تہ خاک کو رواں ہے
تو شعلہ کی سوئے آسماں ہے

عزم سفر وطن سمجھ کر
بولی وہ بکاؤلی کہ بہتر

چلیے گا تو ساتھ ہیں بلا عذر
رہیے گا تو بندگی میں کیا عذر

ہاتھ اُسکا پکڑ کے باہر آئی
ماں باپ کے پاس دختر آئی

ہوتے ہی دو چار خویش و دختر
دو سے ہوئے چار اُس جگہ پر

وہ تینوں تھے قوم کے پریزاد
جو تھا اُن میں یہ آدمی زاد

چومی اُسنے زمین خدمت
غربت سے وطن کی چاہی رخصت

فیروز شہ و جمیلہ بانو
دونوں ہوئے سُنکے سر بہ زانو

غوطے میں جو آ گئے وہ یکسر
بولی ماں باپ سے وہ دختر

پردیسیوں سے جو کی ہو نسبت
اب کیجے ہنسی خوشی سے رخصت

دعوے نہیں کچھ دیے ہوئے پر
قائم رہیے کیے ہوئے پر

لازم جو ہو اسمیں کد نہ کیجیے
سائل کا سوال رد نہ کیجیے

بولے وہ کہ بخت تھا زبردست
خورشید کو ذرے نے کیا پست

انسان سے جھکی پری کی گردن
کانٹے سے رُکا ہوا کا دامن

یہ کہہ کے منگائے دو ہوا دار
تنلو دیو بُلائے باد رفتار

ہو کر دیوؤں کے زینت دوش
رخصت وہ اُدھر ہوئے ادھر ہوش

اشکوں سے شگوں لیا نرالا
آئینہ رخ پہ پانی ڈالا

سونپا مختار کو جو مجبور
گھر پاس تھا اور وہ منزلوں دور

آئے تو وہ باغ سحر بنیاد
تھا آب و ہوا سے خوش سو آباد

خیل و خدم اسکے منتظر تھے
مانند حواس منتشر تھے

پہچان کے سب نے غل مچایا
آیا تاج الملوک آیا

داخل جو ہوئے محل کے اندر
محمودہ لپکی دوڑی دلبر

پوچھا خوش خوش کہا کہ دم لو
دیکھو یہ کون ہیں قدم لو

دلبر یہ وہی بکاؤلی ہے محمودہ دیکھ کیا پری ہے
سبحان اللہ کہہ کے دلبر بولی کہ یہ گھر ہوا منور
محمودہ نے کہا مبارک خشنودی آشنا مبارک
اُن مختصروں نے جب دیا طول بولی وہ بکاؤلی کہ معقول
یہ سمجھو تو کچھ نہیں ہے تکرار خوش پوش ہو ایک جوڑے دو چار
در بجے درجے رہیں وہ ذیہوش ہمخانہ و ہمدم و ہم آغوش

طلب ہونا بکاؤلی کا راجا اندر کی محفل میں اور آگاہ ہو کر ہمراہ جانا تاج الملوک کا

تقدیر سے ہیں جو شادی و رنج اب یوں نے خامہ ہے نوا سنج،
از بسکہ یہ چرخ فتنہ انگیز ہے خرمن عیش پر شرر ریز،
یک چند وہ مہ تھی کامجو نہیں گذری اک عمر خواہشوں میں،
تقدیر سے جب مراد پائی راجہ اندر کو یاد آئی،
اندراسن آمر نگر ہے شہر ایک خلقت ہے وہاں کی زندہ دل نیک
اندر ہے بادشاہ اسکا آسن ہے تخت گاہ اس کا
مضمون وہ قضا سے اسقدر ہے اُس بستی کا نام امرنگر ہے
یزدانیوں کا ہے مسکن اسمیں روحانیوں کا نشیمن اسمیں
کہتے ہیں مور خان ہندی آباد ہوا ہے سے وہ بستی
راجا کہ کمال پارسا ہے مقبول جناب کبریا ہے
خالق نے دیا ہے فوق اسکو نغمے سے ہے ذوق شوق اُسکو
انسان کا سرود و رقص کیا ہے پریوں کا ناچ دیکھتا ہے
باری باری سے جو پری ہے راجہ اندر کی مجرئی ہے
لیکن جو بکاؤلی دل افگار باری پہ پہنچ سکی نہ بیزار
اک شب راجہ تھا محفل آرا یاد آئی بکاؤلی دل آرا
پوچھا پریوں سے کچھ خبر ہے شہزادی بکاؤلی کدھر ہے

منھ پھیر کے ایک مسکرائی
چتون کو ملا کے رہ گئی ایک
بولا وہ کہ چپ ہو کیوں سبب کیا
ناتا پریوں سے اُسنے توڑا
وہ حسن کے خفا ہوا کہا جاؤ
پریاں اُتریں اوپر اوپر آئیں
دیکھا تو وہ دونوں کرتی تھے خواب
ہمبستر آدمی پری تھی
غافل جو ہُوکا دل نے پایا
جاگی تو سب اُسکے جوڑ کی تھیں
بولیں کہ طلب کیا ہے چلیے
اُٹھی اُسے جی کی طرح چھوڑا
ساتھ اُنکے وہ تا بہ محفل آئی
راجہ نے نگاہ کی غضب سے
بو آتی ہے آدمی کی لے جاؤ
شعلہ سا پری کا جسم کانپا
پریوں نے کشاں کشاں نکالا
کافور سی جل اُٹھی سراپا
جو آتش گل نہ لے چمن سے
جس رُخ پہ تھی کاکل معنبر
جس جسم پہ تھی نفیس پوشاک
جیسے نفس ایک خضر آئی
شعلے سے زیادہ پاک داماں

آنکھ ایک نے ایک کو دکھائی
ہونٹوں کو ہلا کے رہ گئی ایک
بولیں وہ کہ کہیے بے ادب کیا
رشتہ ایک آدمی سے جوڑا
جسطرح سے بیٹھی ہو اُٹھا لاؤ
مہتابی پہ مثل ابر چھائیں
گل تکیے تھے آفتاب و مہتاب
سناٹے کے بغل میں چاندنی تھی
اُس نقش مراد کو جگایا
اندر کے اکھاڑے کی پری تھیں
جوڑا یہ خراب ہے بدلیے
بدلا مانند رنگ جوڑا
لرزاں لرزاں مقابل آئی
پوچھا کہ یہ بےحیائی کب سے
ناپاک ہی آگ اُسے دکھا لاؤ
مُنھ دامن اشک تر سے ڈھانپا
صندل آتشکدے میں ڈالا
ٹھنڈی ہوئیں تھا جسے جلایا
جھونکا اُسے آگ میں جلن سے
تھا چشم زدن میں دود اخگر
شعلے کے سوا نہ کچھ تھا خاشاک
چھینٹے سے جلی ہوئی جلائی
آ کر ہوئی انجمن میں رقصاں

ناچی گائی غرض ناچار
اغیار ادا سے کر لیے یار

برخاست کا وقت صبحدم تھا
راجہ کہ وہ صاحب کرم تھا

بولا جا یوں ہی آئیو روز
جل بجھ کے سدا سنائیو سوز

رخصت پاتے ہی وہ ہوائی
پرّاں پرّاں ہوا سی آئی

پشواز کنارے حوض اُتاری
شب کی پوشاک پہنی ساری

بیتاب آرامگہ تک آئی
ہمخواب کی آنکھ بند پائی

یوں سیج پہ آ کے سوئی بیتاب
جس شکل سے آئے آنکھ میں خواب

وہ آ ہوئے مست خواب خرگوش
یعنی تاج الملوک بیہوش

اُس شب کو بغل میں آ کے جاگا
پر دوسری شب وہ جاگے جاگا

دیکھا تو وہ متصل نہیں ہے
پہلو میں جگر کے دم نہیں ہے

حاجت کی گماں سے جب ہوئی دیر
جھنجھلا کے پلنگ سے اُٹھا شیر

دائیں دیکھا نظر نہ آئی
بائیں دیکھا کہیں نہ پائی

عورت بھی گماں پہ سے کھٹکا
جانا کہ ہیں دل کسی سے اٹکا

اٹھ در نظر آیا در کا سایہ
سمجھا وہ پلنگ چار پایہ

آنکھوں میں جو چھا گیا اندھیرا
پل مارتے ہو گیا سویرا

جاگا تو پری بغل میں پائی
وہ نقش وفا عمل میں آئی

دانستہ خبر ہوا نہ بیتاب
گویا کہ وہ شب کا حال تھا خواب

جب پہر ڈھلک گیا لب بام
مہتابی پہ آیا وہ سر شام

معمول سے بزم میں ہوئے جمع
مینا و کباب و مجمر و شمع

جام اُسنے بھرا کہا پیالے
دل اسکا بھرا تھا جام کیا لے

ٹھانی تھی کہ آج رہ کے بیدار
دیکھوں جاتی کہاں ہے عیار

بولا کہ ہیں درد سر کے کچھ طور
میں آج نہ ہونگا شاغل دور

ہٹ اُسنے جو کی تو ہاتھ مارا
شیشہ ہوا چور چور سارا

ہوتی ہے جو نوک شیشہ خنجر — چبھ کے لگے اسکے انگلیوں پر
بیداری شب کی گھات پائی — ظلمت سر دست ہاتھ آئی
کف میں نمکیں کباب لے کر — چھڑکا نمک ان جراحتوں پر
بند آنکھیں کیے ہوئے شکر لب — بیدار رہا تو آخر شب
پریوں نے ہوا سے تخت اتارا — ثابت ہوا ٹوٹتا ستارا
سوتا اسے جان کر اٹھی وہ — پوشاک بدلنے کو گئی وہ
اُس تخت کا یہ پکڑ کے پایہ — پوشیدہ ہوا برنگ سایہ
بن ٹھن کے جب آئی رشک ناہید — ذرہ ہوا ہمرکاب خورشید
جاتے ہی زمین سے آسماں پر — پہونچی اُس بزم میں سماں پر
لوگوں سے بھرا وہ دائرہ تھا — پرصوت و صدا وہ دائرہ تھا
ٹھٹکے یہ پہونچ کے تخت ٹھہرا — مرکز پہ وہ نجم بخت ٹھہرا
آسودہ پریوں سے بنا کر — پھینکا اُسے پھول سا اُٹھا کر
شہزادہ کہ زیر تخت زرکار — تھا پہلوے گل میں صورت خار
فریاد نہ کرنے پایا مضطر — تاباں ہوئی راکھ میں سے اخگر
راجہ جس رخ تھا محفل آرا — دل لیتی ہوئی چلی دل آرا
ہمراہ چلا وہ چھوڑ پایہ — آگے تھی پری تو پیچھے سایہ
محفل میں جو آئی شمع محفل — پروانوں کا ہاتھ سے گیا دل
جو گاتی تھیں بیٹھیں مثل آواز — مجرے کو اُٹھی وہ صورت ناز
وہ ناچنے کیا کھڑی ہوئی تھی — خود راگنی آ کھڑی ہوئی تھی
رقص اسکا اگرچہ خوشنما تھا — سنگت کا پکھاوجی کھٹکا تھا
شہزادے نے دیکھ دائیں بائیں — لیں طبلہ نوازی کی بلائیں
آہستہ کہا کہو تو آؤں — فرماؤ تو بند کی بجاؤں
اُسنے جو پکھاوج اسکو دیدی — کیفیت اتفاق نے دی

تھا سحر پہ یہ اُس پری کا نقشا
سب آنکھ بلا کے کہتے تھے آ

محفوظ کیا جو سب کو اکبار
بخشا راجہ نے نو لکھا ہار

انداز سے اُس نے لیکے مالا
کاندھے پہ بکاؤلی کے ڈالا

برخاست کا تھا وہ رخصتی ہار
برہم ہوئی بزم اُٹھے سب اکبار

لے ہار وہ شاہزادہ فی الفور
چھپا ہوا زیر تخت اسی طور

بادِ سحری چلی جو سن سے
وہ شمع سدھاری انجمن سے

خورشید سے پہلے اوڑ کر آئی
تاروں کی چھاؤں میں گھر آئی

وہ حوض کے برج چلی اُتر کر
یہ آنکھ بچا کے سوئے بستر

وہ آئی تو غافل اسکو پایا
آغوش میں آ گلے لگایا

جب پردۂ صبح ہو گیا فاش
خنداں خنداں اُٹھا وہ بشاش

اُس غنچہ دہن کا مسکرانا
بے رنگ بکاؤلی نے جانا

ہنستے ہنستے کہا ہنسے کیوں
ہنستا نہیں بے سبب کوئی یوں

بولا وہ کہ خواب دیکھا تھا
آتش پہ کباب دیکھا تھا

بولی وہ کہ ہم بتائیں تعبیر
دلسوزی کرے گا کوئی دلگیر

بولا وہ کہ رات کو افق میں
خورشید تھا آتش شفق میں

بولی وہ کہ مہر سے شب و روز
عالم میں رہو گے رونق افروز

بولا وہ کہ اک مقام ہو تھا
گلزار خلیل رو برو تھا

بولی وہ کہ بشر ہو تم دلاور
سرسبز ہو قوم آتشی پر

بولا وہ کہ دیکھی اک شبستاں
شعلہ ہوا انجمن میں رقصاں

بولی وہ کہ شعلہ میں پری ہوں
جو ناچ نچاؤں ناچتی ہوں

بولا وہ کہ جب ہوا اُجالا
بخشا مہ انجمن نے ہالا

ہالہ مہ انجمن کا کیا تھا
وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا

گھبرائی پری کہ ہیں یہ کیا ہے
بولا وہ کہ ہار نو لکھا ہے

کاندھے پہ تھا جسکے رات ڈالا — پہچانتی ہو وہ طبلے والا
کیوں جی یہ اکیلے تب کو جانا — اوپر اوپر مزے اڑانا
یہ سن کے پری وہ سوختہ تن — بولی کہ سن اے صلاح دشمن
میں جاکے جلی تو غم نہیں ہاے — ڈر ہے کہ نہ تجھ پہ آنچ آئے
میرے جلنے پہ خاک ڈالو — تم نام نہ واں سنکے چلنے کا لو
افروختہ آتش حسد ہے — جلنا پہ سپند چشم بد ہے
بولا وہ کہ یہ نہوگا مجھ سے — میں دو قدم آگے ہونگا تجھ سے
سمجھاتی رہی اسے وہ دانا — لیکن اکل نے کہا نہ مانا
عازم ہوا شب کو آسنے ہی تخت — یا قسمت یا نصیب یا بخت
واں جاکے وہ سوچی اسکو لالگ — لے چلیے تو راجہ لائیگا راگ
سنگت کا پکھاوجی بناکے — گائی یہ غزل مقام پاکے

غزل

ساقی قدح شراب دے دے — مہتاب میں آفتاب دے دے
ساقی باقی جو کچھ ہو لے لے — باقی ساقی شراب دے دے
اس بت سے نہیں سوال کچھ اور — اپنے منھ سے جواب دے دے
لیلے میں سے بنے مجھے بنایا — مجنوں مجھ کو خطاب دے دے
اس گل سے نسیم زر نہیں مانگ — جو چاہیے وہ حجاب دے دے

نصف پتھر ہو جانا بکاؤلی کا راجہ اندر کی بددعا سے اور بتخانے میں رہ کر ملنا تاج الملوک سے اور کھدنا بتخانے کا رانی چتراوت کے حکم سے

ہے اب جو بیان سنگساری — یوں یاں سے قلم ہوا ہے جاری
خوش لہجہ بہت بکاؤلی تھی — گائی اور ناچی بڑی تھی
راجہ نے کہا کہ خوش ہوں تجھ سے — جو چاہیے آج مانگ مجھ سے
دکھلا کے اسی پکھاوجی کو — مانگا کہ یہ دو بکاؤلی کو
ارمان یہی ہوس یہی ہے — خاطر کی مراد بس یہی ہے

مانگا جو بشر پری سے بیباک
بولا کہ اس آدمی کی یہ تاب
کھویا ہے تجھے تیری آرزو نے
کی ہے حرکت خلاف آئین
اس سختی سے کچھ دنوں رہو تو
قالب ترا انقلاب کھائے
بارہ برس اس طرح گزر کر
اُسوقت جہاں تو چاہے جائے
روئی وہ بکاؤلی یہ سُن کے
خواہش جو بلائے جاں ہوئی وہ
ناری تھی پری ہوا ابتائی
سایہ سا زمیں پہ جب گرا وہ
سبزے کی دھوپ چھاؤں مخمل
چشمہ اک آفتاب سا تھا
پریاں کچھ اُدھر نہانے آئیں
بولیں یہ وہی بکاولی ہے
وہ چونک کے بول اُٹھا کہ للہ
اندر کے غضب سے بنکے پتھر
پوچھا کہ کدھر کہا بہت دور
یہ کہکے اُتاری سب نے پوشاک
پردے کا جو کچھ خیال آیا
بے ننگ یہ سب نہا رہی تھیں
سوچا وہ کہ انکو دیکھے جل

راجہ اندر ہوا غضبناک
سے لے چشمۂ آفتاب سے آب
جا تیری سزا یہی کہ تو نے
پتھر کا ہو نصف جسم پائیں
بعد اسکے خاک میں سے نکلے تو
جامے میں تو آدمی کے آئے
پھر تجھ کو ملے پری کا پیکر
تو اسکو ملے وہ تجھ کو پائے
تڑپا شہزادہ سر کو دُھن کے
ٹھٹکا ہوا یہ گراں ہوئی وہ
خاکی تھا بشر زمیں جھنکائی
افتادہ کو سوچنے لگا وہ
صحرا میں بچھی تھی سو گیا شل
عاشق کی طرح بھرا ہوا تھا
دیکھا وہ بشر تو کھلکھلائیں
عاشق جس پر بکاؤلی ہے
بتلاؤ کہاں ہے وہ کہا آہ
ہے بت سی وہ ایک مٹکے اندر
بولا وہ کہ پھر کہا کہ مجبور
باہر ہو نہیں جامے سے وہ بیباک
تن چادر آب سے چھپایا
موجیں باہم اُڑا رہی تھیں
خس پوش سکیں وہ جامۂ گل

جب خوب وہ شعلہ رو نہائیں — باہر بصد آب و تاب آئیں
پوشاک دھری ہوئی نہ پائی — جانا کہ حریف نے اڑائی
جھک جھک کے بدن چرائی آئیں — رک رک کے قدم بڑھاتی آئیں
دکھلائی کسی نے چشم جادو — چمکائی کسی نے تیغ ابرو
جھنجھلا کے کہا کہ لاؤ مانو — ہم کو بھی بکاؤلی نہ جانو
بولا وہ چہ خوش تم ایسی کیا ہو — ڈرنے کا نہیں میں کیا بلا ہو
پوشاک جو لینی ہو تو پہنچاؤ — بولیں وہ چلو کہا قسم کھاؤ
عریانی کے ننگ سے بچائیں — ستار کی قسمیں سب نے کھائیں
شہزادے نے کرکے پاس انکا — خلعت سا دیا لباس انکا
پریاں ہوئیں رخصت سج کے خرسند — ہو جیسے ہوا حباب میں بند
شانے پہ چڑھا کے مثل گیسو — اس گل کو اڑا لایا صورت بو
واقف اس بتکدے سے تھیں وہ — سنگلدیپ اسکو لے گئیں وہ
وہ جائے بکاؤلی بتائی — دیوانے کو باؤلی بتائی
بتخانے میں تھا طلسم کا در — ششدر رہا چار سمت پھر کر
عقدہ کھلا شام ہو کر اسکا — شق مثل قمر ہوا در اسکا
دیکھا تو وہ بت تھی مٹھ کے اندر — جسم آدھا پری کا تھا آدھا پتھر
تھی ناف سے لیکے تا بپا سنگ — تھا گو وہ سرین کے آگے پاسنگ
چومے جو قدم اس آدمی نے — سینے سے لگا لیا پری نے
نرمی سے کہا بخیر گذری — کس سختی سے تم بغیر گذری
ہمیں تو پڑے وہاں پہ پتھر — تمکو نگہ نہ پہنچے کہا مقدر
پھر گر پڑ کے زمیں پہ مثل شبنم — پھر پریوں کے گھر سے اڑ کے ہم
جذبہ یہ تم پاس کھینچ لایا — سختی اب دور ہو خدایا
تا آخر شب فسانے کہہ کر — بولی وہ پری کہ اے دلاور

یہ در مانندِ چشمِ بیخواب
پیش از دمِ صبح تم نکل جاؤ
مصرف کو جو ہو ضرورتِ زر
کانوں میں سے موتی کچھ نکالے
صدقے وہ بشر ہوا پری کے
پاؤں اُسکے چھوے تو تیغ سو پائے
نکلا جیسے ہی مٹھ کے باہر
آنکھوں سے یہ دیکھتا ہوا تھر
بازار میں جاکے بیچے گوہر
گھوڑا جوڑا نفر حویلی
جب منزلِ شب میں رہرو روز
گنبدِ گردوں کا تھا جو بےدر
سیاروں سے کرکے استخارہ
دیکھا تو درِ قبول وا تھا
شب سایۂ زلف میں بسر کی
تقدیر نے راستہ بھلایا
جیراوت اُس کی ماہ پارہ
دیکھا تو جواں تھا یہ تصویر
یاں پردہ در نظر سے گذرا
دستور تھا جسکو بیٹی چاہے
راجہ سے خوش خبر بیاں کی
شادی کی خبر سے وہ یکایک
اُس شہر کا چترسین راجا

ہوتا ہے سحر کو بند بیتاب
کل پھر سرِ شام خیر سے آؤ
زیور مرا مجھ سے لو یہ کہہ کر
دامن پہ مثالِ اشک ڈالے
قدموں پہ گرا بکاولی کے
آنسو چھوڑے گہر اُٹھائے
پتھرا گئی چشمِ حلقۂ در
آگے کو بڑھا چلا سوئے شہر
مفلس سے ہوا وہ صاحبِ زر
جو جو شئے چاہیے تھی لے لی
لے گوہرِ شبنم آیا پُرسوز
تاباں ہوئے اپنے ماہ و اختر
اُس برج کے رخ وہ مہ سدھارا
رگڑا انھیں ایڑیوں پہ مارا تھا
لی صبح کے ہوتے راہ گھر کی
راجہ کے محل کی جانب آیا
غرفے میں سے کرتی تھی نظارہ
صورت پہ فدا ہوئی وہ بےپیر
دان تیرِ نظر جگر سے گذرا
باپ اسکا اسی کے ساتھ بیاہو
مشاطۂ خوش ادا رواں کی
خوش خوش آئی کہا مبارک
دختر رکھتا ہے ماہ سیما

ہر ملک کے شہریار آئے
راضی تجھ سے ہوئی وہ بے پیر
بیجا وہ ہوا کہا کہ جا جب
دکھلا نہ مجھے ہرے ہرے باغ
الفت میں سہے آبرو گنوائی
مکار تو مجھ سے کرتی ہے زور
ہٹ دیکھ کے اسکی ہٹ گئی وہ
پایا جو جواب منتظر نے
تقدیر کی بات ہونے والی
من سائت کاران سے نکالا
کیا جوہری مول کرتے اسکا
جو مدعیوں کا مدعا تھا
جھنجھلا کے ڈرا کے غل مچا کے
من چھین کے چوری کے بہانے
زنداں میں وہ نیم جان و بسمل
غم کھا کے لہو کے گھونٹ پینا
دارا و غنہ محبس خفا سے
یوسف کی خبر نے اور زلیخا
اس چاہ میں کام ہو نہ جائے
دانا تھی وہ جیلخا لے آئی
دیکھا تو وہ سرنگوں تھا دلگیر
آنکھ اس سے نہ جب ملائی اسنے
پابند بلا وہ مبتلا تھا

ہر شہر کے تاجدار آئے
طالع قسمت نصیب تقدیر
کیسی رانی کہاں کا راجا
غنچے کی گرہ میں کیا ہے جز داغ
کب چشمہ مہر میں ہے پانی
دُر ہو مرے سامنے سے چل دور
قسمت کی طرح پلٹ گئی وہ
آنکھوں میں لگا خیال پھرنے
زر سے ہوا اسکا ہاتھ خالی
بازار آیا وہ سرو بالا
راجہ تک رفتہ رفتہ پہونچا
موقع وہ ملا تو کیا برا تھا
سمجھا کے وبا کے دست پا کے
بھیجا کھلے بندوں قید خانے
زنجیر میں پانوں زلف میں دل
دم کے دھاگوں سے ہونٹ سینا
رانی سے کہا کسی بہانے
زنداں میں ہے وہ عزیز مرتا
یہ ماہ تمام ہو نہ جائے
بگڑے ہوئے کو بنانے آئی
تھی حلقہ بہ حلقہ زلف و زنجیر
زنجیر اسکی ہلائی اسنے
کب اسکو خیال شہ دیا تھا

رانی نے جو بیدلی نگہ کی — بڑی کڑوائی بے گنہ کی
قدموں پہ گری کہا اٹھو آؤ — انکار و گریز جانے دو آؤ
اٹھا وہ پری کی آرزو میں — یہ سمجھی کہ تھا نشا گفتگو میں
واں دھن کہ صنم سے کد خدا ہوں — یاں دھیان کہ بت کا پارسا ہوں
تجویز میں اپنے اپنے مفہوم — آئی تو محل میں مچ گئی دھوم
راجہ نے ستارہ داں کو بلایا — سعد دن کا زائچہ ملایا
دن ڈھل کے وہ ماہ نو سر شام — غائب ہوا سیر کر کے کچھ گام
دروازے کا مدت سے دیدہ وا تھا — توبہ کا در کھلا ہوا تھا
آیا تو وہ کب سے تکتی تھی راہ — دیکھا تو کہا کہاں رہے واہ
دیکھے جو حنائی ہاتھ بے لاگ — تلووں سے پری کے لگ گئی آگ
پوچھا کہ بن آئی کس بنی کی — کس راہ کی زن نے رہزنی کی
توفیق یہاں تلک جو لائی — مہندی پاؤں کی گھس نہ جائی
قدموں سے لگا لپٹا ہوا وہ — مہندی کا جو رنگ تھا کہا وہ
رانی کی وہ مہر سرگرانی — راجہ کی وہ قہر حکمرانی
من بیتے اپنا قید ہونا — داموں کے لیے وہ صید ہونا
چتر ادت کا وہ آپ آنا — سب کہہ کے کہا خدا ہے دانا
شادی نہیں کچھ خوشی سے باقی — بے تیرے تھی مرگ زندگانی
غم تھا کہ ترے قدم سے چھوٹا — شادی کے بہانے غم سے چھوٹا
پیارے یہ نہیں حنائی چنگال — ہاتھ ایسے ملے کہ ہو گئے لال
زنجیروں سے پاؤں ہے نکالا — زلفوں پہ نہیں یہ ہاتھ ڈالا
کاٹے ڈسیں بال اگر چھوئے ہوں — چھالے پڑیں گال اگر چھوئے ہوں
بگڑی وہ کہ چل بنا نہ باتیں — تجھ سے کوئی سیکھے ایسی گھاتیں
میری تجھے ایسی کیا لگی تھی — تلووں سے ترے حنا لگی تھی

تنگ آیا تو دیکھ قید خانہ
پتھر کی اگر کہو تو میں ہوں
سہتی ہوں جہاں کی سختی سستی
اس تنگ قفس کو سمجھی ہوں باغ
قسمت سے مفر ہے اب نہ مامن
کب چاہیگی عقل مصلحت سنج
راضی ہیں خدا کی جو رضا ہو
وہ معتقد اسکے پاؤں چھو کر
آیا تو وہ نو عروس زیبا
نیند آئی جو تھی بصد کدورت
سوئی تو تھی انتظار میں وہ
سوئے جو کٹی شب جدائی
تھے صبح سے دونوں شام جویاں
دونوں تھے تصوروں میں کامل
دو آنکھوں کی طرح ایکجا تھے
کروٹ لے کر وہ عنبریں مو
چپکی ہوئی بیٹھ سے وہ دلگیر
حسرت چھائی تو کھو گئی وہ
غافل اسے چھوڑ کر اٹھا یہ
یہ جاگے ہوئی وہ فتنہ بیدار
دوری نے جو حد سے کی درازی
اس رات کو چپکی ہو رہی وہ
وقت سحر اسکو یاسکے رانی

آسان نہیں کڑی اٹھانا
فولاد جگر کہو تو میں ہوں
آسایش جاں نہ تندرستی
سنگینی گراں نہ جلنے کا داغ
پتھر کے تلے دبا ہے دامن
تم تو کرو شادی ہم کریں رنج
ہوتی ہے سحر چلو ہوا ہو
اٹھا بچھائی پہ رکھ کے پتھر
بستر پہ تھی تشکل نقش دیبا
تھی چین بجبیں شکن کی صورت
جاگی تو ملا کنار میں وہ
سو خفتہ نصیبی اپنی جاگی
شب کو ہوئے داخل شبستاں
خلوت خانہ تھا گوشۂ دل،
پر دل جو ملا نہ تھا جدا تھے
اٹھ چلنے کا سوچتا تھا پہلو
آئینہ کی پشت پر تھی تصویر
غفلت آئی تو سو گئی وہ
ایکا تو پری کے رخ گیا یہ
دیکھا تو تھا تکیہ جائے دلدار
جانا کہ کہیں ہے عشق بازی
کل سمجھو نگی کہہ کے سو رہی وہ
ہم بستر خواب سرگرانی،

خلوت خانے سے باہر آئی ۔ دربانوں کے پاس در پہ آئی
حکم اُن کو دیا کہ شام کو آج ۔ جانا ہمراہ صاحب تاج
سایے کی طرح سے ساتھ رہنا ۔ جو آنکھ سے دیکھنا وہ کہنا
جس وقت چلا پری کا مانوس ۔ سایہ سے پس قدم تھے جاسوس
وہ مٹھ وہ پری مقام دیکھا ۔ وہ بُرج وہ سب مقام دیکھا
اک اُن میں سے رانی پاس آیا ۔ کی عرض کہ لو سُراغ پایا
صورت یہ ہے جو نگاہ کی ہے ۔ اک مٹھ میں مورت اک پری ہے
آنکھوں سے اُس انجمن کو دیکھا ۔ یکجا بُت و برہمن کو دیکھا
لعل و گہر ایک دُرج میں ہے ۔ شمس و قمر ایک بُرج میں ہے
آنکھ اسکی یہ سنکے خوں میں ڈوبی ۔ مریخ بنی وہ ماہ خوبی
یاں اُسنے کہا وہ برج کھدواؤ ۔ واں بولی بکاؤلی کہ لو جاؤ
یاں سے چلے لوگ واں سے وہ زار ۔ لپکا یہ اِدھر اُدھر وہ خونخوار
توڑا وہ مٹھ حباب آسا ۔ پھوڑا جلے دل کا آبلہ سا
شہزادے کے آگئے بیچارے ۔ انعام دیا کھلے خزانے
پاس اُسکا ذرا نہیں کیا کچھ ۔ اور اُس سے کہا کہ لو سُنا کچھ
بُنیاد و بنا کھدوائی ۔ جاسوسوں نے کھود کر نکالی
غائب رہتے تھے روز و شب جو ۔ اب دیکھو گے جاکے خاک ہیں جو
سُنتے ہی وہ بے قرار لپکا ۔ دوڑا بے اختیار لپکا
دیکھا تو وہ ماہرو نہ وہ بُرج ۔ وہ لعل گراں بہا نہ وہ دُرج
شور اُسنے کیا کہ کیا یہ شر ہے ۔ آواز آئی کہ بے خبر ہے
بنیاد برافگنی کی بانی ۔ ہے سوت مری وہ تیری رانی
کھدوایا جب اُسنے مٹھ بصد جور ۔ رہنے کو ملا نہیں مکان اور
واں ٹھوکریں کھائی سخت تھیں سنگ ۔ سنگت بجائے خویشتن سنگ

ہونا تھا یہی تو شکوہ کیا ہے / جا کچھ دنوں صبر کر خدا ہے
حیرت زدہ چپ خموش سنسان / ٹوٹا ہوا دل بندھا ہوا دھیان
آیا تو ہنسی وہ شوخ رانی / گویا وہ ہوا بخوش بیانی
تقدیر کو گل کھلانا تھا یوں / تو خار سی بیخ کن ہوئی کیوں
دوراں کو تھا انقلاب منظور / مختار خدا ہے بندہ مجبور
اُس دن سے ہوا وہ اُس سے مانوس / راتوں کو رہے وہ شمع و فانوس
جب کام روا ہوئی وہ رانی / گذری بہزار کامرانی

پیدا ہونا بکاؤلی کا دہقان کے گھر میں اور جوان ہو کر ملنا تاج الملوک سے

نقطوں سے ہوا جب قلم کا دہقاں / صفحے کی زمیں پہ دانہ افشاں
جب مٹھ کی رہی نہ بیخ و بنیاد / جیسے کہ ہو گرد باد برباد
دہقاں تھے نئی زمیں کے جویا / سرسوں کا کھیت اُنھوں نے بویا
جب چین سے کر چکے تردد / کھیتی کی ہوئی زمیں پہ وا شد
دہقاں کی زوجہ کے کھلے بھاگ / کھانے لگی نوچ نوچ کے ساگ
کھاتے ہی حمل کا ڈھنگ پایا / سرسوں سا ہتھیلی پہ جم آیا
وہ بانجھ تھی جب حمل سے ہولی / سرسوں آنکھوں میں سب کی پھولی
ایام مقرری گذر کر / پیدا ہوئی اک حسینہ دختر
صورت میں پری جمال میں حور / فلفل سی وہ ماں تھی پیش کافور
مشہور ہوئی وہ ماہ پارہ / لوگ آنے لگے پئے نظارہ
وہ منتظر ظہور نیرنگ / یعنی تاج الملوک دل تنگ
چرچا سنکر چلا کہ دیکھوں / دیکھا تو کھپا نظر میں افسوں
جانا کہ پری وہ سوختہ تن / سانچے میں سے ڈھل کے نکلی کندن
چہرے سے پری کا ڈھنگ پایا / آدر کا وہ قول یاد آیا
دہقاں سے کہا کہ سیم و زر لے / دولت صدقے پہ بیٹی دے

دہقاں سے کہا کہ میرے صاحب
دختر جو پسند مہ لقا ہے
پھل سے نہیں پیڑ کو سروکار
سمجھا وہ کہ میوہ ہے ابھی خام
یہ سوچ کے گھر پھرا وہ دلسوز
دن دن اسے ہو گیا قیامت
چلتی تو زمیں پہ سرو گرتے
خواہاں ہوئے ہمو قار اسکے
کہہ بے سر برگی اپنی دہقاں
شہزادے نے ایک دن پھر آکر
دہقاں سے کہا کہ یا شہنشاہ
صحبت ہے برابری میں زیبا
دہقاں زادی وہ بے محابا
خواہاں سے مرے نہ ہونا ناخوش
مطلب کو سمجھ کے گھر پھرا وہ
یاں تو یہ حساب کرتا تھا سن
گذرا بارے جو عہد سختی
دختر وہ پکڑ کے باپ کا ہاتھ
واں تھا کسی وقت کا دفینہ
کہنا نہ کسی سے میں پری ہوں
اک آدمی زاد کی بدولت
ناگاہ سمن پری لیے تخت
رخت اسنے سنج کے تخت اڑایا

یہ باتیں نہیں تمھیں مناسب
بجتی نہیں لعل بے بہا ہے
جبتک کہ ہو کام کا نہیں بار
عورت ہو جواں تو نکلے کچھ کام
آیا کیا اسکو دیکھنے روز
بوٹا سی بڑھی وہ سرو قامت
باتیں کرتی تو پھول جھڑتے
دہقاں ہوئے خواستگار اسکے
بولا کہ ہے رب کے ہاتھ ساماں
شادی کو کہا حیا اٹھا کر
تم کو وہ وقار میں پرکاہ
نسبت ہے برادری میں زیبا
بول اٹھی تب آن سے کہ بابا
ہے دختر رز نصیب مے کش
وقت آنے کا منتظر رہا وہ
واں لوگ ارم کے گنتے تھے دن
آ لئے ایام نیک بختی
پچھواڑے مکاں کے لیگئی ساتھ
دکھلا کے کہا یہ لے خزینہ
تو کیا جانے بگاولی ہوں
لائی ترے گھر ہے مجھ کو قسمت
وارد ہوئی اور کہا کہ لے رخت
داماں نظر سے منہ چھپایا

چترآوت کا محل جدھر تھا
سوتا جس رخ وہ سیم بر تھا

واں جا کے ہوئی وہ نور آگیں
پروانے کے اپنے شمع بالیں

بیدار کیا وہ ماہ پیکر
جاگا تو تھا آفتاب سر پر

اُٹھا جو وہ کہہ کے آؤ جانی
آواز سے چونک اُٹھی وہ رانی

مُنھ دیکھتے ہی بکاؤلی کا
سایہ اُسے ہو گیا پری کا

بولی وہ بکاؤلی سیانی
ہے سوت مری یہی وہ رانی

بولا وہ کہ لونڈی ہے تمھاری
یہ کہہ کے اُسے کہا کہ پیاری

چوٹی ہے مری تو ہاتھ اِن کے
چل آ کہ چلا میں ساتھ اِنکے

رانی نے کہا کہ گو یہ ہے غیر
میں تیری ہوں تو کسی کا ہو خیر

یہ بات بکاؤلی کو بھائی
شہزادے کے ساتھ اُسے بھی لائی

اُڑتے ہی وہ تخت سحر آگیں
کیا دور تھا گلشن نگاریں

مدت کے جو بعد گھر میں آئے
کھوئے ہوئے جیسے سب نے پائے

فردوس کی بیسوا وہ دلبر
محمودہ دیو کی دختر

چتراوت چترسین کی جان
آرام ارم بکاؤلی جان

ان چاروں میں ایک مست بادہ
پورب کا پادشاہ زادہ

پانچوں سر پنجۂ وفا تھے
یا خمسۂ مطلع صفا تھے

ہوتے ہی حواس خمسہ مجموع
آمد ہوئی اقربا کی مسموع

فیروز شہ و جمیلہ دانا
حسن آرا اور روح افزا

پورب کا وہ شاہ و شاہ بانو
اطراف سے مملکت کے بین لو

جو جو آیا بلا تکلف
اک قافلے سے ملا وہ یوسف

سلطانوں کی قدر دانیاں کیں
مہمانوں کی میزبانیاں کیں

چندے رہا مجمع بد و نیک
رخصت ہوئے رفتہ رفتہ ایک ایک

روح افزا سے بکاؤلی کو
اُلفت تھی روکی دل لگی کو

رُکنا ہوا اُس پری کا مشکل یہ دل لگی اب لگائے گی دل

عاشق ہونا بہرام وزیرزادہ تاج الملوک کا روح افزا پری پر اور شادی ہونی بکاؤلی کی سعی سے اور کامیاب رہنا

جب ختم یہ داستاں آئی یوں شاخ قلم شگوفہ لائی
روح افزا کو بکاؤلی نے روکا جو یہاں کئی مہینے
اک شب کہ وہ زلف مہ رخاں تھی یا آتش مہر کا دُخاں تھی
وہ مست مے فسانہ گوئی مہتابی پہ چاندنی سی سوئی
سلطاں کا وزیر زادہ بہرام گلگشت چمن میں تھا گل اندام
لٹکی دیکھی پری کی چوٹی ناگن سی اسکے دل پہ لوٹی
کھٹکے سے مگر بکاؤلی کے بھاگا سائے سے اُس پری کے
جب کاکل شب سے رخ خورشید تاباں ہوا، پھر بچشم امید
دیکھا تو ماہ نو کا تھا برج رکھتا تھا دریگانہ وہ درج
بیتابی نے کچھ قرار پایا مجبوری میں اختیار پایا
مہتابی پہ چاندنی جب آئی، سائے نے پری پہ کی چڑھائی
اس فتنہ کے خوابگہ تک آیا مانند سُہا وہ مہ تک آیا
تجویز رہا تھا گھات گوں کی ناگاہ وہ مست خواب چونکی
آغوش کی موج سے وہ مضطر مچھلی سی نکل گئی تڑپ کر
پیچھا کیے صحن تک وہ آیا مہتاب کے پیچھے جیسے سایا
ملتی اُسے خاک وہ ہوائی انسان کو پری نہ ہاتھ آئی
ہوتے ہی سحر وہ روح افزا رخصت ہوئی گھر کو رکھ کے پردا
معشوق سے رہ گیا جو ناکام تھا غم سے کنار گور بہرام
تنہا وہ سمن پری تھی اک روز قدموں پہ گرا کہا بصد سوز

دل سے ہوں فدائے روح افزا
بولی وہ ارے بشر بڑی ہے
شہزادے کے ڈھنگ پر نہ تو چل
بولا وہ کہ مجھ سے اس نے ہی راہ
واقف تھی پری کے دیس سے وہ
فردوس میں مالن ایک تھی حور
پوشیدہ تھی اسکے لائی اسکو
فردوس کی سیر کے بہانے
روح افزا کے لیے بنفشہ
حاجت کو ذرا گئی جو باہر
تحریر کیا کہ بے مروت
افسوس نہ سمجھے تو آرزو ہو
لیکن تو زبسکہ خود نما ہے
یہ لکھ کے ہٹا تو مالن آئی
روح افزا کا سنگار کرکے
الٹا اسے آئینہ دکھایا
مضمون جو پڑھا پری تھی دانا
مشاطہ کو دیکھ کر اکیلی
ہاتھ آکر جو نہ پائے وہ کون
سوجھی تو نہ بوجھی وہ کہا کل
بہرام اس سوچ کو سمجھ کر
وہ جانتا تھا نہ اسکو سوجھی
ہاتھ آکے نہ پائے جو وہ مجذوب

مرتا ہوں برائے روح افزا
روح افزا کیا بکاؤلی ہے
ہمتا ہے فلک نہ ہوگا بادل
شبنم کی ہے آفتاب کو چاہ
لے پہونچی زنانے بھیس سے وہ
گل چہرہ پری بنفشہ مشہور
منہ بولی بہن بنائی اسکو
چھوڑا منزل پہ رہنما نے
گلدستہ بنائی تھی ہمیشہ
بہرام نے پشت آئینہ پر
آئینہ ہے تجھ پہ میری صورت
اور آئینہ تیرے روبرو ہو
خود بینی سے جو کرے بجا ہے
گلدستہ پری کے پاس لائی
محو اس کی ہوئی جو پیار کرکے
خط سمجھی وہ کاکلوں کا سایا
نقش عمل نگار جانا
بولی کہ بتا تو یہ پہیلی
ہوکر جو نظر نہ آئے وہ کون
کہدوں گی یہ کہہ کے آئی بیکل
بولا کیا ہے کہا اسمجھ کر
بولا تو بات کیا ہے بوجھی
ہوکر نہ دکھائی دے وہ محجوب

وہ سنکے جو دوسرے دن آئی
سمجھی وہ کہ پوچھ آئی ہے یہ
بولی وہ کہ ہاں مجھے نہ سوجھی
روح افزا نے کہا کہ نادان
بولی وہ ابھی پہیلی میں لائی
اس مژدے کا منتظر ہی تھا وہ
امرد کا لباس تھا زنانا
پوچھا کہو نام کیا کہا ننگ
یہ سنکے اشارے سے بٹھایا
وہ جاکے کہا یہ پردہ پوشی
بہرام ہے تو ارے وہی چور
بدبیں سمجھ کے گو رکا نام
طوق اس کو طلسم کا پنھایا
دن بھر تو وہ فاختہ پڑھاتی
غماز تھی اک خواص اسکی
اک دن پنجرا اڑا کے لائی
کھولا جو وہ بند سحر بنیاد
گستاخ جو اس بشر کو پایا
لوگوں سے کہا ہٹاؤ اسکو
لیک اسکو لے چلے جلانے
شہزادہ بکاؤلی کے ہمراہ
دیکھا تو وزیرزادہ بہرام
جلنے سے پناہ دیکے اسکو

تقریر سُنی ہوئی سُنائی
پوچھا کس نے بتائی ہے یہ
منہ بولی بہن نے میری پوچھی
ہمراہ اُسے کیوں نہ لائی تو یاں
جا کر طلبی اُسے سُنائی
ساتھ اُسکے زنانے میں گیا وہ
دُھوکا جو کھا گئی وہ دانا
پوچھا کہ نشان کہا دل تنگ
بادام بنفشہ کو دکھایا
گندم کے بہانے جو فروشی
رہ تجھکو بتاؤں سحر سے گورہ
پنجرہ اک لائی وہ گل اندام
قمری اُسے سرو نے بنایا
شب کو اُسے آدمی بنایا
دمساز تھی وقت خاص اُسکی
حسن آرا کو وہ شکل بھائی
دیکھا تو مجسم آدمی زاد
غصہ غضب اُس پری کو آیا
سم تشکدے میں جلاؤ اسکو
تقدیر کے سینے کار خانے
گذرا اُسی راستے سے ناگاہ
بوتے میں تھا شکل نقرۂ خام
فردوس میں آئے لیکے اسکو

زندہ اُسے پا کے حسن آرا — بولی کہ یہ چور ہے ہمارا
قابل یہ جلانے کے ہے فاسق — روح افزا کا ہوا ہے عاشق
بولی وہ بکاؤلی کہ قربان — یہ کون سی فہم ہے بجی جان
پیاری کا جو اپنے ہو پیارا — کیونکر ستم اُس پہ ہو گوارا
حسن آرا نے کہا بجا ہے — تم کیوں نہ کہو کہ خود کیا ہے
بولی وہ کہ پھر عبث ہے انکار — تب عیب نہ تھا تو اب ہے کیا عار
کیا کہتی وہ دم بخود سنا کی — سوچی سمجھی رضا خدا کی
مرسوم تھے جسطرح کے انداز — شادی کا خوشی خوشی کیا ساز
دو ساز طرب ملے خوش آہنگ — دو راز ادب کھلے بصد ننگ
شادی جو ہوئی تو غم ہوا دور — فردوس سے گھر کو آئی وہ حور
گلزار جو اُس زمیں میں آ کر — آباد ہوئی وہ یاسمن بر
حاصل ہوئی اُن گلوں کو یکبار — سیر شب زلف و صبح رخسار
جس طرح اُنھیں بہم ملایا — بچھڑے ہوئے سب ملیں خدایا

تاریخ اختتام تصنیف این کتاب از مصنف

این نامہ کہ خامہ کرد بنیاد — گلزار نسیم نام بنہاد
بشنید و نوید ہاتفے داد — توقیع قبول روز بیش باد

۱۲۵۴ھ

باہتمام حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پروپرائٹر
نامی پریس لکھنؤ میں چھپی
مارچ ۱۹۲۹ء

«غزل دود پنهانی کف آبی روی سطح»

عبدالمجید

«غزل در بزن کاری نیست بسیار گذاری»

۸۹۱
DUE DATE

نامی پریس لکھنؤ

میں ہر علم و فن کی کتابیں برائے فروخت موجود رہتی ہیں
فہرست طلب فرمایئے اور ہر قسم کی چھپائی کا کام بحسن و خوبی
انجام دیا جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل کتابیں اسی پریس میں نہایت
حسن و خوبی سے چھاپی گئی ہیں حسب ضرورت طلب فرمایئے

دیوان غالب مع مقدمہ مختصر حالات غالب و تنقید و فوٹو غالب مجلد ۔ ۱

دیوان ذوق ۔ مع مقدمہ مختصر حالات ذوق و تنقید ۔ ۱

مسدس حالی مع مقدمہ مختصر حالات و انتخابات و فوٹو حالی مجلد ۶ ۸

مثنوی میر حسن مع مقدمہ و فوٹو ۲۱

المشتہر خواجہ قمرالدین احمد مہتمم نامی پریس لکھنؤ

CALL No. ٨٩١٤٣١ ACC. No. ٦٩٣٦

AUTHOR نسیم، دیا شنکر

TITLE گلزار نسیم

Date	No.	Date	No.
26.05.92			

MAULANA AZAD LIBRARY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over - due.